دھوپ کی دیوار

ہاشم علی خان ہمدم

بسم الله الرحمن الرحيم

MRTsoft

دُھوپ کی دیوار

چھٹا مجموعۂ کلام

ہاشم علی خان ہمدمؔ

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام
https://archive.org/details/@nzkiani
nzkiani@gmail.com

تعارف

نام : ہاشم علی خان ہمدمؔ

تاریخ پیدائش : ۷؍جولائی ۱۹۷۳ء

تعلیم : ایم اے اردو، ایم اے انگریزی، بی ایڈ (پنجاب یونی ورسٹی لاہور)

جائے پیدائش : خودہ شریف تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک

پیشہ : درس وتدریس

سرکاری ملازمت : اسسٹنٹ پروفیسر (اردو) ایف جی ڈگری کالج واہ کینٹ

ادبی خدمات : بانی ومنتظم موج غزل ادبی فورم (فیس بک)

اصناف سخن : حمد، نعت، غزل، نظم، سلام، منقبت، طنز ومزاح

تصانیف : ۱۔ موجِ کرم (حمد ونعت)

۲۔ پانچواں موسم (غزلیات)

۳۔ آئینہ سچ بولتا ہے (غزلیات)

۴۔ موج غزل (طرحی غزلیات)

۵۔ محبت کی زباں (طرحی غزلیات)

۶۔ دھوپ کی دیوار (طرحی غزلیات)

۷۔ چراغِ فکر (طرحی غزلیات)

۸۔ جہانِ خواب (طرحی غزلیات)

۹۔چشم تماشا (طرحی غزلیات)

۱۰۔سراب سے آگے (طرحی غزلیات)

۱۱۔تیسرے کنارے پر (طرحی غزلیات)

۱۲۔نمودِ سحر (طرحی غزلیات)

۱۳۔آدھا سفر (طرحی غزلیات)

۱۴۔دم (منتخب دیوان)

۱۵۔آخری چراغ (غزلیات)

۱۶۔طرحی غزلیات (زیرِ طبع)

۱۷۔نظموں کا مجموعہ (زیرِ طبع)

۱۸۔نعتیہ نظموں کا مجموعہ (زیر طبع)

۱۹۔نعتیہ مجموعہ (زیر طبع)

۲۰۔مزاحیہ کلام (زیرِ طبع)

پتہ : خودہ شریف، تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک۔

فون نمبر : 0311-5509555

انتساب

دھوپ کی دیوار

کے ٹھنڈے سائے

اپنے والدین، اساتذہ

شریکِ حیات، بیٹی، بیٹوں

بہنوں، بھائیوں، عزیزوں

شاگردوں، دوستوں اور

چاہنے والوں کے نام

شام لہرانے لگی ہے وقت کے اشجار پر
آخری سایہ پڑے گا دھوپ کی دیوار پر

موج سخن میں پیش کیا گیا کلام مشاعرہ نمبر ۸۷ تا ۱۳۰

مشتری ہوشیار باش

کتاب کا نام	دُھوپ کی دیوار۔
شاعر	ہاشم علی خان ہمدمؔ۔
وضاحت	یہ ہاشم علی خان ہمدمؔ کے کلام کا چھٹا مجموعہ ہے جسے برقی کتاب کے طور پر شائع کیا جارہاہے۔

صفحات	۱۹۴
سالِ اشاعت	ستمبر ۲۰۲۳ء
ہدیہ	دعائیں۔
پبلشر	مکتبۂ ارمغانِ ابتسام۔ اسلام آباد، پاکستان۔
برقی ڈاک	itshamdam@gmail.com

فہرست

پیش رس

مالکِ نطق و بیاں جب موجِ سخن سے سرفراز کرتا ہے تو محبت کی زباں شعر میں ڈھلنے لگتی ہے۔ شعری سفر میں منفرد حرف کشیدگی کی تمنا ایک خوب صورت جہانِ سخن تخلیق کرتی ہے۔ جہاں چشمِ تماشا من پسند رنگوں پر مشتمل منفرد پیکر نقش کرتی ہے اور پانچواں موسم رمز پاتا ہے۔ جس کی فضا میں موسیقی کے سر روح کو سرشار کرتے ہیں۔ موجہء گل دھڑکنیں مہمیز کرتی ہے، جگنو روشنی کی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں اور شام لہراتے ہی دھوپ کی دیوار پر امید کے دیے ٹمٹمانے لگتے ہیں۔ احساس کے پرندے بلند پرواز کی تحریک دیتے ہیں۔

موج سخن ادبی فورم کا قیام ۲۰۱۴ء میں عمل میں آیا۔ جس کے افتتاحی مشاعرہ میں پہلا شعر کہنے کا اعزاز حاصل کیا۔ اس گروپ کے بانی نسیم شیخ کے ساتھ بہ طور منتظم مسلسل ایک سو تیس ہفتہ وار طرحی مشاعروں میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ اس گروپ میں نام ور شعرا نوید ظفر کیانی، روبینہ شاہین بینا، قدسیہ ظہور، جیا قریشی، شعیب خان اور ڈاکٹر عزیز فیصل کا ساتھ رہا۔ ادبی سفر کے بحرِ بےکراں میں موج سخن اہم سنگ میل ہے جہاں میں نے نسیم شیخ کے ساتھ بہ طور منتظم بھرپور مشقِ سخن کی۔ مسلسل ایک سو تیس ہفتہ وار طرحی مشاعروں میں میز بانی کے ساتھ تزئین و آرائش اور اشاعتی سرگرمیوں میں شامل رہا۔ موج سخن میں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ موج سخن انتظامیہ میں نسیم شیخ، قدسیہ ظہور، ہما خان، احمد علی، روبینہ شاہین بینا اور نوید ظفر کیانی کے ساتھ بہت اچھا کام کرنے کا موقع ملا۔ خاص طور پر روبینہ

شاہین بینا نے موج سخن طرحی مشاعروں میں پیش کیے گئے کلام کی تزئین و آرائش کے لیے شب و روز محنت کی۔ انھیں اپنے شریک سفر نوید ظفر کیانی کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ اس ادبی گروپ میں دنیا بھر سے اچھے شعرا مشاعرے میں باقاعدہ شریک رہے جن میں ہندوستان سے ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی مرحوم، ذہینہ صدیقی، ساز دہلوی، امین جس پوری مرحوم، اسرار رازی، شہناز شازی اور نور جمشید پوری باقاعدہ شریک مشاعرہ رہے۔ پاکستان کے نام ور شعرا جبار واصف، فیروز ناطق خسرو، ڈاکٹر عزیز فیصل محمود پاشا، اقبال ناظر، افتخار حیدر، رہبر صمدانی مرحوم، افروز رضوی، شہناز رضوی، جیا قریشی، ایم زیڈ کنول، شعیب نوید خان، آزاد حسین آزاد، تیمور ذوالفقار، ماجد جہاں گیر، غضنفر علی، ظہیر قندیل، طارق محمود راہی، عادل اشرف، کاشف عرفان، رحمان حفیظ، عرفان قادر اور بہت سے بزرگ اور نوجوان شعرا موج غزل کے باقاعدہ ممبر رہے۔ موج سخن کا ادبی سفر کامیابی سے رواں دواں رہا۔ موج سخن سے علیحدگی اختیار کرنے والی انتظامیہ کے ساتھ موج غزل ادبی فورم کا قیام ادبی سفر کا تسلسل تھا جو تین سو سے زائد ہفتوں سے جاری و ساری ہے۔ موج سخن ایک ادبی تنظیم کی صورت اختیار کر چکا ہے اور ادب کے فروغ میں سرگرم ہے۔ اللہ یہ ادبی سفر کامیاب و کامران فرمائے۔ آمین

موج سخن میں پہلے ایک سو تیس مشاعروں میں کہا گیا کلام حمد، نعت، غزل اور موضوعاتی نظموں پر مشتمل ہے۔ طرحی غزلیات دو مجموعوں کی شکل میں شائع ہو رہی ہیں۔ پہلے مجموعہ میں پہلے چھیاسی مشاعروں میں کہا گیا کلام ''محبت کی زباں'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ جبکہ ستاسی سے ایک سو تیسویں مشاعرہ تک کہا گیا کلام ''دھوپ کی دیوار'' کے عنوان کے تحت اشاعت کیا جا رہا ہے۔ جس کی برقی اشاعت کا اہتمام نوید ظفر کیانی اور روبینہ شاہین بینا صاحبہ نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادبی سفر میں ہمیں کامیاب اور بامراد فرمائے۔ آمین۔

ہاشم علی خان ہمدم

۱۹ اگست ۲۰۲۳ء

☆

ہم بول اٹھے تو گرمیِ گفتار دیکھنا
اُس دن جلے گا شہر کا اخبار دیکھنا

کیسا ہے میرے حسن کا شہکار دیکھنا
پھر اس کے بعد مصر کا بازار دیکھنا

ویسے تو اپنے آپ سے پیکار ہیں مگر
جب دیکھنا تو آئینہ سو بار دیکھنا

لشکر کو اپنی ڈھال پہ رکھا ہوا تھا میں
کس نے کیا ہے پیٹھ پہ یوں وار دیکھنا

کس نے مرے وجود کو تقسیم کر دیا
آنگن کے بیچ کیوں بنی دیوار دیکھنا

کچھ پل کے فاصلے پہ ہے سورج کی روشنی
بجھتے ہوئے چراغ کی رفتار دیکھنا

سب کچھ ملے گا دشت کی رعنائیاں تو دیکھ
کیا کچھ نہیں ہے عشق میں اے یار! دیکھنا

کانٹوں کے درمیان میں آنچل ہے تارتار
کیکر کے ہاتھ کیوں لگی دستار دیکھنا

پیروں پہ اپنے آپ کھڑا ہو نہیں سکا
میں اٹھ چلا تو پھر مری رفتار دیکھنا

گو اپنی داستان کا ہیرو نہیں مگر
میں مر گیا تو پھر مرا کردار دیکھنا

کس طرح دیکھنا کہ بدلتے رہے ہیں لوگ
اقرار دیکھنا کبھی انکار دیکھنا

رشتوں میں پھر خلیج نے ڈالی ہیں تلخیاں
ٹوٹے نہ یہ خلوص کا پندار دیکھنا

لڑنا پڑے ضمیر کے دشمن سے جنگ تو
کس کی طرف ہے لشکرِ کفار دیکھنا

گھمسان میں جو آ گئی اپنوں کے ہاتھ میں
دشمن کی چال دیکھنا، تلوار دیکھنا

یہ بھی نہیں کہ خار ہی زیبِ چمن ہوئے
کانٹوں کے بیچ بیچ ہے گل زار دیکھنا

آئیں گے دور دور سے پینے کو شیخ جی
چھلکا کہیں پہ جام تو مے خوار دیکھنا

وعدہ کیا تھا یار نے چھٹی کے دن ملیں
ہفتے کی شام کٹ گئی اتوار دیکھنا

طرزِ امیرِ شہر طوائف سے کم نہیں
بکنا اگر تو پھر نہ خریدار دیکھنا

دنیا مرے وجود سے کیوں کر الجھ گئی
میں تو نہیں ہوں بر سرِ پیکار دیکھنا

دریا سے اعتبار کا رشتہ فضول ہے
کچے گھڑے پہ بیٹھ کے اس پار دیکھنا

گردن سے یہ غرور کا سریہ نکال دو
جھکنا ہے گر تو کیا سرِ دربار دیکھنا

حرفِ تمام ہے یہی موجِ سخن کے بیچ
ہمدم ذرا شعور کا اظہار دیکھنا

☆

خواب در خواب سرِ دشت کہانی مانگے
آئنہ زاد مری آنکھ سے پانی مانگے

مجھ کو معلوم نہیں تیرا فسانہ کیا ہے
میرا کردار کہانی میں روانی مانگے

تیشۂ عشق سرِ عام لیے پھرتے ہیں
عین ممکن ہے کہ دل کوہِ گرانی مانگے

وہ جو گمنام اندھیروں میں جیا چاہتا ہے
دن کا راجا ہے مگر رات کی رانی مانگے

میں نے بے خواب دریچوں کی سفارت کی ہے
اور وہ ہے کہ شب و روز کہانی مانگے

اس سے بڑھ کر تو مرے دام نہیں لگ سکتے
دِل اگر روز بکے ، روز گرانی مانگے

قریۂ جاں سے پکارا ہے کسی نے لیکن
لامکانی تو مری نقل مکانی مانگے

تجھ کو دیکھے سے نکھرتی ہے مری موج سخن
تجھ کو سوچوں تو تخیل بھی معانی مانگے

میں نہ بادل ہوں نہ بارش ہوں نہ دریا لیکن
گریۂ دشت مری اشک فشانی مانگے

مصرعۂ تر ہے غزل زاد مگر کیا کیجے
نکتے نکتے میں تری شوخ بیانی مانگے

دام بڑھتے ہیں نہ احساس بدلتا ہے میاں
خون سستا ہے یہاں کون گرانی مانگے

اِس خرابے میں بھلا کون قدم رکھتا ہے
عشق آزاد پرندوں کی جوانی مانگے

دھوپ کھلتی ہے مگر شام سے پہلے پہلے
زُلف لہرائے تو پھر صبح سہانی مانگے

کتنے مجنوں ہی سرِ شہر نکل آئیں گے
آج بھی عشق اگر قیس کا ثانی مانگے

حرف در حرف تجھے موجِ غزل میں لکھوں
شاعری بحرِ تخیل میں روانی مانگے

چاک دامن کی روایت نہیں بدلی ہمدم
عشق سچا ہے مگر رسم پرانی مانگے

☆

دیارِ موجۂ گل میں کبھی صرصر میں رہتے ہیں
خرد میں کب جنوں زادے پرائے گھر میں رہتے ہیں

ردائے ہجر کو اوڑھے ہوئے کب آنکھ لگتی ہے؟
ہمارے خواب مخمل کے حسیں بستر میں رہتے ہیں

خدا کا شکر ہے پھر بھی کھڑا ہوں اپنے پاؤں پر
مری بنیاد کے دشمن فصیل و در میں رہتے ہیں

ذرا سا چوک جاؤں میں تو مجھ پر وار کر دیں گے
کٹیلے نین بھی جیسے ترے نشتر میں رہتے ہیں

قفس میں جان دینے سے بھی مل جاتی ہے آزادی
پرندے اڑ نہیں سکتے جو بال و پر میں رہتے ہیں

جہانِ آئینہ بھی ہے تماشا دیدۂ تر کا
عجب ہے خاک زادے بھی اسی پیکر میں رہتے ہیں

چھپائے چھپ نہیں سکتے محبت کے حسیں لمحے
خیال و خواب کے منظر تو چشمِ تر میں رہتے ہیں

سبھی کے ساتھ رہتی ہے ہمیشہ گردشِ دوراں
مقدر کے سکندر بھی اسی چکر میں رہتے ہیں

کبھی تصویر سے نکلیں تو اندازہ کریں ہم بھی
وہ خدّ و خال کیسے ہیں جو ہر منظر میں رہتے ہیں

ہمارے حوصلے کندن کیے ہیں تیشۂ دل نے
کبھی آئینۂ دل میں کبھی پتھر میں رہتے ہیں

ہمارا دائرہ جب تک مکمل ہو نہیں پاتا
ہمارے زاویے سمٹے ہوئے محور میں رہتے ہیں

گلوں کو خارزاروں سے بچانے کی سعی کی ہے
مری دستار کے ٹکڑے ابھی کیکر میں رہتے ہیں

عدو کے تیر و نشتر کی خبر رکھنا ضروری ہے
کبھی کژدم کی صورت میں، کبھی اژدر میں رہتے ہیں

حسینیؑ قافلہ میرا وفا کے راستے میں ہے
ابھی کچھ مردِ حر ہیں جو مرے لشکر میں رہتے ہیں

ترے دل کا اجڑنا ہی نہیں ہے سانحہ ہمدم
کہ ایسے حادثے ہر پل یہاں گھر گھر میں رہتے ہیں

☆

پتھروں نے اوڑھا ہے سائبان شیشے کا
پانیوں پہ ہوتا ہے اک گمان شیشے کا

چشمِ تر نے دیکھی ہے ٹوٹ پھوٹ خوابوں کی
منظروں نے جھیلا ہے امتحان شیشے کا

پھر کسی کے پتھر نے خواب توڑ ڈالے ہیں
کرچیوں میں بکھرا ہے خاندان شیشے کا

شہر میں جنوں زادے سنگ لے کے پھرتے ہیں
ٹوٹ پھوٹ جائے گا خاکدان شیشے کا

ڈوب ہی نہ جاؤں میں بوجھ بڑھتا جاتا ہے
خواہشوں کے پانی پر ہے مکان شیشے کا

ہم نے اپنے ہاتھوں سے خودکشی نہیں کی تو
کیوں پڑا ہے سینے پر یہ نشان شیشے کا

پتھروں کے سینے پر کچھ اثر نہیں ہوتا
لے رہا ہے خنجر کیوں امتحان شیشے کا

زرد خشک پتھر ہوں، یا بھرے سمندر ہوں
خاک اور پانی سے ہے جہان شیشے کا

تند تند موجوں کو کون روک سکتا ہے
کشتیاں ہیں پتھر کی بادبان شیشے کا

یہ تنک مزاجی بھی خوب رنگ لائے گی
حوصلہ ہے پتھر کا اور مان شیشے کا

دشت دشت آنکھوں میں بس ترا تصور ہے
دھڑکنیں ہیں پتھر کی اور دھیان شیشے کا

ہجر کی مسافت کو پار میں کروں لیکن
پاؤں روک لیتا ہے پائدان شیشے کا

دیدۂ تماشا میں خواب خواب چہرے ہیں
آئینہ بھی ہے گویا خواب دان شیشے کا

ایسی خوش گمانی تو عشق کی علامت ہے
پتھروں کی بستی پر ہے گمان شیشے کا

خشک بانجھ دھرتی پر بارشیں نہیں ہوتیں
ہوگیا ہے پتھر کیوں آسمان شیشے کا

ہم تو آشنا تھے نا ایک دوسرے سے کیوں؟
خواب سا دھندلکا ہے درمیان شیشے کا

پتھروں سے لڑنے کی بات میں بھی کرتا ہوں
جب سے خود کو رکھا ہے ہم زبان شیشے کا

کس طرح سے طے ہوگا لامکاں سفر ہمدم
کہکشاں ہے پتھر کی آسمان شیشے کا

☆

موجۂ ادراک نے جب پیار سے چھیڑا مجھے
آئینہ قرطاس پر لگنے لگا جھوٹا مجھے

میں چراغِ آخرِ شب تھا، مجھے جلنا پڑا
دیدۂ بے خواب نے جب طاق پر رکھا مجھے

میں نے اک ٹوٹا ہوا دل مفت میں ہی لے لیا
جھوٹ کے بازار میں سودا لگا سچا مجھے

میں بروں کے شہر میں زندہ نہیں ہوں آج کل
کون کہتا ہے وہ گھر اس قدر اچھا مجھے

پا لیا ہے وقت سے پہلے بہت کچھ دوستو
مل گیا امروز ہی ہنگامۂ فردا مجھے

کیا جمودِ خاص ہے جو میرے دل پر چھا گیا
کیوں برا لگتا نہیں، اچھا نہیں لگتا مجھے

اِک طرف میں، دوسری جانب مرا دشمن نہ تھا
شکر ہے جیتا نہیں میں، ہارنا ہی تھا مجھے

آگہی کی روشنی تھی اور میں چلتا ہوا
لے چلی موجِ ہوا جب ہاتھ پر رکھا مجھے

میں کہانی میں کوئی بھولا ہوا کردار ہوں
تو نے یہ کس باب میں او! صاحبا! رکھا مجھے

اِس قدر محبوب ہیں یہ قربتیں ہمدم اسے
اس نے جب بھی خواب دیکھا، خواب میں دیکھا مجھے

☆

بے رنگ سرابوں کو حقیقت نہیں کرتا
میں چشمِ تماشا سے بغاوت نہیں کرتا

آئینۂ افکار میں جدت نہیں لاتا
کیوں رسمِ کہن ساز ریاضت نہیں کرتا

جو کام ترے شہر کے اندھوں نے کیا ہے
وہ کام کوئی اہلِ بصیرت نہیں کرتا

انسان کا کردار مرے دل میں بسا ہے
یوں ہی تو برائی سے میں نفرت نہیں کرتا

کیا عشق کے قدموں میں ہے گردوں کا خزانہ؟
کیا عشق خسارے کی تجارت نہیں کرتا؟

کس جبر میں صیاد نے انساں کو رکھا ہے؟
یوں شیر بھی جنگل میں حکومت نہیں کرتا

یہ جھوٹی ملاقات بھی رشتوں کا بھرم ہے
یہ وصل غمِ ہجر کو راحت نہیں کرتا

وہ ڈھنگ سکھایا ہے محبت نے مجھے بھی
دشمن بھی مرے ساتھ عداوت نہیں کرتا

وہ ڈانٹ پلائی ہے مجھے عشق نے ہمدم
سہما ہوا رہتا ہوں، شرارت نہیں کرتا

☆

موسمِ گُل ہے ترے حسن کے گل زاروں میں
پھول کھلتے ہیں گلابی ترے رخساروں میں

نقش ہے آج بھی کھنڈرات میں احساسِ زیاں
آئینہ زاد پڑے ملتے ہیں زنگاروں میں

حسنِ یوسفؑ نے دکھائی ہے چکاچوند یہاں
حسن بکتا ہے کہاں مصر کے بازاروں میں

عشق بے مول ہی بکنے کی سعی کرتا ہے
جب زلیخا نظر آتی ہے خریداروں میں

میری تاریخ کا نوحہ ہے بہ عنواں ''دہشت''
سرخیاں خون سے لبریز ہیں اخباروں میں

وقت پڑنے پہ عدو کو بھی دغا دیتے ہیں
ایسے غدار بھی دیکھے ہیں وفاداروں میں

ہم تو گمنام سے بندے ہیں نظر کیا آئیں
داستانوں میں نمایاں ہیں نہ کرداروں میں

جان دینے پہ تو افسوس نہیں ہے لیکن
کیوں ہیں شامل مرے قاتل بھی عزاداروں میں

ایک آنسو جو ندامت سے بہا کرتا ہے
عین ممکن ہے کہ مل جائے گنہ گاروں میں

جو حقیقت ہو وہ بہروپ میں کہہ دیتے ہیں
جھوٹ در جھوٹ فسانہ ہے اداکاروں میں

زلزلاتے ہیں تو مندر کو ہلا دیتے ہیں
یہ جو پتھر سے ہیں بھگوان کے اوتاروں میں

خاک در خاک خد و خال پڑے ملتے ہیں
ڈھونڈ انسان کو تہذیب کے شہ کاروں میں

بے شرر آگ فضاؤں میں اڑی پھرتی ہے
شہر آباد ہے جلتے ہوئے انگاروں میں

میری امید کا سورج بھی کبھی نکلے گا
کچھ اجالا نظر آتا ہے سیاہ کاروں میں

طاق در طاق وہی شمعیں نظر آتی ہیں
چند قبریں ہیں چراغوں کی جو دیواروں میں

جان لیتے ہیں مگر عشق میں تہذیب کے ساتھ
کیا سلیقہ ہے محبت کے طرحداروں میں

میری پستی سے نمایاں ہے بلندی ہمدم
میری بنیاد کے پتھر بھی ہیں میناروں میں

☆

میں انہونی میں ہونے کی نشانی لے کے آیا ہوں
عجب کردار میں ساری کہانی لے کے آیا ہوں

سرِ موجِ سخن دل کی کہانی لے کے آیا ہوں
غزل میں راج کرتی ہے جو رانی لے کے آیا ہوں

مرے اطراف رہتا ہے ازل سے پیاس کا صحرا
گھڑے میں سات دریاؤں کا پانی لے کے آیا ہوں

اگرچہ سنگ زادہ ہوں مگر کومل سری دیکھو
سخن کے باب میں شیریں بیانی لے کے آیا ہوں

مرے نیلام ہوتے ہی بڑھے ہیں دام لوگوں کے
سرِ بازار میں اتنی گرانی لے کے آیا ہوں

مجھے احساس ہے میں لامکانی ہو نہیں سکتا
چراغِ آرزو میں لن ترانی لے کے آیا ہوں

مجھے روندے ہوئے لفظوں میں کچھ کہنا نہیں آتا
نئے اسلوب میں اپنے معانی لے کے آیا ہوں

مجھے تو عہدِ حاضر سے نکلنا ہے سرِ منزل
سو اپنے عہدِ رفتہ میں روانی لے کے آیا ہوں

مرے اجداد نے دیکھا تھا مجھ کو خواب صورت میں
سو میں تعبیر میں صبحیں سہانی لے کے آیا ہوں

مرے بے ہجر لمحوں سے ابھی ہجرت نہ کر بلبل
میں تیرے واسطے خوشیو کی رانی لے کے آیا ہوں

مجھے معلوم ہے مجھ کو ہوا سے خاص نسبت ہے
سو اس رشتے سے کشتی بادبانی لے کے آیا ہوں

بہت مشکل تھا صحرا سے تجھے یوں لے کے آ جانا
خدا کی ہو گئی تھی مہربانی ، لے کے آیا ہوں

مری کوزہ گری نے سب کو آئنہ دکھانا ہے
تبھی تو چاک پر میں خاک دانی لے کے آیا ہوں

بہت الجھے ہوئے منظر دکھائی ہی کہاں دیتے
مگر چشمِ تماشا میں روانی لے کے آیا ہوں

مجھے تاریخ کے چہرے پہ اپنا عزم لکھنا ہے
سرِ مقتل میں بچوں کی جوانی لے کے آیا ہوں

فسانہ در فسانہ ہیں وہی کردار دنیا میں
وہی وردِ محبت کی کہانی لے کے آیا ہوں

مجھے مقبول ہونے کا ہنر آتا نہیں ہمدم
دِلوں پہ شاعری سے حکمرانی لے کے آیا ہوں

☆

آئینۂ خیال کی چالوں میں آ گئے
ہم روشنی سے دور اجالوں میں آ گئے

نسبت دوام ہو گئی ماہ و نجوم سے
ہم بھی ترے وجود کے ہالوں میں آ گئے

حیرت ہوئی ہے آپ کی انگلی کو دیکھ کر
ہم لاجواب ہو کے سوالوں میں آ گئے

جو بے ہنر تھے شہر میں گمنام ہی رہے
اہلِ ہنر تو سب ہی مثالوں میں آ گئے

اس شہرِ بے چراغ سے جانا ضرور تھا
ہجرت نہ کی تو دیس نکالوں میں آ گئے

ایسے کسی ہجوم سے نسبت نہ تھی مجھے
یہ کون لوگ میرے حوالوں میں آ گئے

کچھ نقش خدّ و خال سے ظاہر نہ ہو سکے
کچھ عکس آئنوں کے جمالوں میں آ گئے

چہرہ بجھا بجھا سا ہے صبحِ جمال کا
کچھ رنگ تیرگی کے اجالوں میں آ گئے

دل کے گلاب کھل اٹھے دھڑکن مہک اٹھی
خوشبو کے شوخ رنگ بھی گالوں میں آ گئے

تارے شبِ وصال کے جھومے ہیں تار تار
اترے جو آسمان سے بالوں میں آ گئے

ہنگامۂ معاش میں مرنے کی ٹھان لی
لوگوں کے احتجاج بھی تالوں میں آ گئے

جو خوش نصیب تھے انہیں چاہا گیا بہت
ہم کج نصیب چاہنے والوں میں آ گئے

ڈھلنے لگی ہے شام بھی صبحِ فراق میں
اے وقت! پھر سے ہم تری چالوں میں آ گئے

آبِ حیات دیکھ کے ہم بھی مچل گئے
ساقی لیے شراب جو پیالوں میں آ گئے

تجھ کو وفا کی ریت پہ ہم راہ دیکھ کر
کچھ آبلے زمین کے چھالوں میں آ گئے

دل بھی ملنگ تھا مرا کیف و سرور میں
پاؤں کے تال میل بھی حالوں میں آ گئے

دشمن مرے شبات کو منفی نہ کر سکے
اپنی کمان چھوڑ کے ڈھالوں میں آ گئے

ہمدم عجیب خوف سے رکنا پڑا ہمیں
ہم تارِ عنکبوت کے جالوں میں آ گئے

☆

شہرِ ادراک سے آگے کا پتا دیتا ہے
آئینہ زاد نئے خواب دکھا دیتا ہے

خواب زادوں سے ملاقات کرا دیتا ہے
ہجر جاگے ہوئے سپنوں میں سلا دیتا ہے

خارزاروں سے الجھنے کا صلہ ہے شاید
موجۂ گل جو مجھے بندِ قبا دیتا ہے

گھر کی دیوار کے سائے میں وہ پلتا جگنو
طاق در طاق مجھے اذنِ ضیا دیتا ہے

آن ملتا ہے سرِ دشتِ وفا کا پنچھی
زندگی بھر کی مسافت کا صلہ دیتا ہے

میں تو گمنام سا بندہ ہوں مگر یہ کیا ہے؟
میرا ہونا بھی نہ ہونے کی صدا دیتا ہے

عشق جذبہ ہے محبت کے سفر میں ہمدم
خاک زادوں کو جو خالق سے ملا دیتا ہے

☆

خاک دانی سے پرے احساس کے پیکر میں تھی
آئینے کی آنکھ تھی لیکن کسی پتھر میں تھی

موجۂ گل میں کبھی گرمِ سفر صرصر میں تھی
خواب زادوں کی پری ہر پھول کے پیکر میں تھی

شہر کے اطراف تو گہرا سمندر تھا مگر
اِک مسلسل تشنگی ہر ایک چشمِ تر میں تھی

بُت پرستی چھوڑ کر ہم خود پرستی میں رہے
خواہشوں کے جال بنتی ذات کس چکر میں تھی

ہجر کا دامن اداسی کے سبب آباد تھا
کرب تھی لیکن محبت وحشتوں کے ڈر میں تھی

اک دیا سا جل رہا تھا خواب کی دیوار پر
آج ساری روشنی میرے پرانے گھر میں تھی

گردشِ ایام نے بدلی نہ ماہ و سال میں
زندگی کی دوڑ ساری رزق کے چکر میں تھی

سامراجی قوتیں تو مائلِ مرکز نہ تھیں
ہاں مگر مرکز گریزی عشق کے محور میں تھی

عشق کی پرواز تو ایمان کی شمشیر تھی
جو بپا بدر و احد، احزاب اور خیبر میں تھی

ایک آنچل ہی نہیں تھا تلخیوں کا پیراہن
گرد میں روندی ہوئی دستار بھی کیکر میں تھی

وار سارے پشت پر تھے زخم سینے پر نہ تھا
دشمنوں سے جنگ یوں ہمدم کسی لشکر میں تھی

☆

احساس کی دنیا سے گزر جاتا ہوں اکثر
معلوم نہیں پھر میں کدھر جاتا ہوں اکثر

آوارہ مزاجی ہے کہ یہ ذوقِ سفر ہے
بھولے ہوئے رستے سے میں گھر جاتا ہوں اکثر

میں عام سا کردار فسانے میں جڑا ہوں
جینا ہو کہانی میں تو مر جاتا ہوں اکثر

خوش رنگ سرابوں سے کہیں دور پڑا ہوں
میں چشمِ تماشا میں اتر جاتا ہوں اکثر

یہ نقش مرے عکس میں ڈھالے ہوئے بت ہیں
آئینۂ زدگاں سے مکر جاتا ہوں اکثر

پہلو میں عجب خوف کا آزار پلا ہے
جھانکوں بھی اگر دل میں تو ڈر جاتا ہوں اکثر

پتھر کے زمانے میں کوئی روگ لگا تھا
پڑتی ہے ذرا چوٹ، بکھر جاتا ہوں اکثر

میں پچھلے زمانے کا پرندہ ہوں ابھی تک
لگتے ہیں مجھے خواب کے پر، جاتا ہوں اکثر

ہجرت کی رسائی ہے کوئی جھیل کنارہ
پرواز میں ہے ذوقِ سفر، جاتا ہوں اکثر

آنکھوں کا بسیرا ہے کسی اور جہاں میں
جاتی ہے جہاں تک یہ نظر، جاتا ہوں اکثر

میں خواہشِ دیدہ کی مسافت پہ چلا ہوں
منزل نظر آتی ہے، جدھر جاتا ہوں اکثر

سورج کی سلامی سے مرا رزق جڑا ہے
بجھتا ہے دیا وقتِ سحر جاتا ہوں اکثر

رہتی ہے تری یاد مرے کوچۂ جاں میں
خوشبو کے دریچے میں ٹھہر جاتا ہوں اکثر

توڑا ہی نہیں میں نے کبھی آس کا رشتہ
میں آج بھی اس خواب نگر جاتا ہوں اکثر

کٹتی ہے مری رات کسی اور نگر میں
کھلتی ہے مری آنکھ تو گھر جاتا ہوں اکثر

میں اپنی روایات کے سائے میں رہا ہوں
قائم ہیں جہاں بوڑھے شجر، جاتا ہوں اکثر

ہوں موجِ سحر زاد کی پوشاک میں ہمدم
بکھروں بھی تو خوشبو سے نکھر جاتا ہوں اکثر

☆

خواب زادوں نے کیا بسر کی ہے؟
زندگی جو ابھی سحر کی ہے

جل رہی ہے دیا دیا دنیا
روشنائی جو بام و در کی ہے

انگلیاں ہیں فگار دانتوں میں
بات ساری کفِ ہنر کی ہے

چاک رکھا ہے کج ادائی میں
کج کلاہی یہ کوزہ گر کی ہے

خاک رستے میں اڑ رہی تھی کہیں
کچھ بگولوں نے معتبر کی ہے

چھپ رہی ہے جو صبح و شام یہاں
یہ خبر تو ہمارے گھر کی ہے

اٹھ رہا ہے جو راکھ سے بھی دھواں
یہ شرارت کسی شرر کی ہے

بک گئی جو ہوس کی دنیا میں
بہن بیٹی کسی بشر کی ہے

ہم تو ٹھہرے محبتوں کے امیں
سبز کھیتی ہمارے گھر کی ہے

وہ نظر تو ہے ذات کے اندر
آئینے میں جو در بدر کی ہے

چند انڈے ہیں فاختاؤں کے
شاخ جھومی ہوئی شجر کی ہے

چند پتھر اٹھا کے لایا ہوں
یہ کمائی مرے سفر کی ہے

جام رکھے ہیں خشک ہونٹوں پر
تشنگی سے زبان تر کی ہے

ٹوٹ جائے گا خواب کا بنگلہ
ہر عمارت کسی کھنڈر کی ہے

یہ غزل تو نہیں مری ہمدم
یہ کہانی نگر نگر کی ہے

☆

خواب زادے آئینہ پیکر میں ہوں
عین ممکن ہے کہ پس منظر میں ہوں

موجۂ بادِ بہاری ٹھہر جا
یہ نہ ہو کہ پھر خزائیں گھر میں ہوں

کیا خبر کہ آستینوں سے پرے
زہر کے سب رنگ ہی اژدر میں ہوں

ہونٹ تیرے بادۂ لب سے ملیں
ساقیا! آنکھیں تری ساغر میں ہوں

جاگتا ہوں نیند سے میں اس لیے
خواب کے منظر سبھی ساگر میں ہوں

دوستو ! یہ سازشوں کی جنگ ہے
یہ نہ ہو دشمن مرے لشکر میں ہوں

ہوں پرند آزاد لیکن شہر میں
حکم ہے کچھ قید بال و پر میں ہوں

دشمنی یا دوستی ہے کیا کہیں
پھول جب لپٹے ہوئے پتھر میں ہوں

ظلم ہے پھر اے ابابیلِ حرم
فیصلہ کن معرکے کنکر میں ہوں

کون دستاریں سنبھالے وقت کی
پاک دامن چاک جب کیکر میں ہوں

کیا علاجِ غم کریں گے غم گسار
زخم ہی جب حرف کے نشتر میں ہوں

روشنی کی پیاس ہے ہمدم مجھے
کچھ دیے دیوار پر کچھ گھر میں ہوں

☆

پون پون سے چھلکتا خمار کا موسم
صدائے موجۂ گل ہے بہار کا موسم

اسے نہ دیکھ سکوں میں تو جاگ اٹھتا ہوں
وہ خواب زاد ہوا ہے قرار کا موسم

وہ جس کے رنگ سے خوشبو فروغ پاتی ہے
وہی گلاب ہے میرے نکھار کا موسم

بس ایک بار وہ گزرا تھا کوچۂ جاں سے
مہک رہا ہے مرے لالہ زار کا موسم

ڈھلک گیا ہے کہیں پر وہ ریشمی آنچل
ہوا کے دوش پہ آیا خمار کا موسم

دیارِ شب کے دریچے میں ٹھہر جاتا ہے
اسی کے شہر، اسی کے دیار کا موسم

اسی ترنگ میں خوشیوں کے پھول کھلتے ہیں
وفا، خلوص، محبت ہے پیار کا موسم

اسی شکست میں شامل ہے جیت جانا بھی
کسی کے پیار میں لازم ہے ہار کا موسم

یہ بارگاہِ محبت ہے جان کی بازی
وفا کے دشت میں رہتا ہے دار کا موسم

سفر شریک پرندے تو کب کے مارے گئے؟
یہ کون کھوج رہا ہے شکار کا موسم؟

کسی غبار سے نکلے گا آن چمکے گا
سفر کی شام ہے اُس شہ سوار کا موسم

ہوائیں کیوں مجھے قرب و جوار ملتی ہیں؟
مری طلب تو ہے ساگر سے پار کا موسم

میں ہجر زاد مسافر ہوں دیکھ سکتا ہوں
مرے سفر میں رہا ہے غبار کا موسم

ہری زمین پہ تازہ رہے وفا کے پھول
سدا بہار ہوا اعتبار کا موسم

میں آئنے سے مخاطب ہوا سنورتا گیا
بڑا حسین لگا ہے یہ آر پار کا موسم

شبِ وصال کی گھڑیاں قریب ہیں شاید
گزر گیا ہے مرے انتظار کا موسم

مرا خمیر وفا ہے تو مجھ پہ لازم ہے
یہ بار بار محبت یہ پیار پیار کا موسم

مرے شجر سے خزاؤں کی پیاس بجھتی تھی
کہاں گیا ہے مرے برگ و بار کا موسم

حسیں رتوں کا یہ جھونکا نہال رکھتا ہے
نہ جون ہے نہ دسمبر یہ بار کا موسم

اسی کا رنگ امر ہے جو مجھ پہ چھوڑ گیا
اُسی کے دھیان، اُسی کے مدار کا موسم

ہوا کے ہاتھ نے مجھ پر بڑی عنایت کی
مرے ہی پاس رکھا اختیار کا موسم

کسے خبر تھی کہ خود کو سنبھال کر رکھتے
محبتوں میں کہاں تھا شمار کا موسم

ہمیں تو موجِ رواں کا سکوت لے ڈوبا
کہ پانیوں میں نہاں تھا فشار کا موسم

کسی نے تند ہواؤں کا ہاتھ پکڑا تھا
پھر اس کے بعد رہا انتشار کا موسم

بہت قریب سے دیکھا ہے ہم نے قربت میں
وہ برف زاد مجسم چنار کا موسم

وہ میرے دل کی تسلی مرا دلاسا ہے
مرے حبیب، مرے غم گسار کا موسم

وہ مجھ سے لاکھ گریزاں سہی مگر ہمدم
اسے قبول ہے میرے ہی پیار کا موسم

☆

منافقت کے ہیں کردار جھوٹ بولتے ہیں
عجیب سچ ہے کہ بے کار جھوٹ بولتے ہیں

تمام شہر ہی جھوٹا دکھائی دیتا ہے
یہی نہیں کہ مرے یار جھوٹ بولتے ہیں

گزر چکے ہیں فسانہ تراشنے والے
جو بچ گئے ہیں وہ کردار جھوٹ بولتے ہیں

ضمیر بیچ کے بھرتے ہیں پیٹ کاغذ کا
قلم فروش، قلم کار جھوٹ بولتے ہیں

یہ سچ کہیں تو انہیں کون روک سکتا ہے
عجب ہے قوم کے سردار جھوٹ بولتے ہیں

جنون ہے کہ وفا میں ہوس گزاری ہے
یہ قربتوں کے طلب گار جھوٹ بولتے ہیں

وہی سراب تماشا ہے نیند میں گویا
خیال و خواب کے آثار جھوٹ بولتے ہیں

مرے وجود کے بوئے ہوئے نقوش ہیں کیا؟
یہ آئینے ہیں کہ زنگار جھوٹ بولتے ہیں

عدو کے خوف سے کتنا ڈرا رہے ہیں ہمیں؟
ہمارے اپنے ہی سالار جھوٹ بولتے ہیں

لٹک رہے ہیں مگر کج کلاہیاں دیکھو
یہ کون لوگ سرِ دار جھوٹ بولتے ہیں؟

یہ میرے عہد کے اربابِ ذی وقار ہیں جو
بدل بدل کے کئی بار جھوٹ بولتے ہیں

منافقت کا لبادہ ہے یہ نوائے سخن
سخن تراش سمجھ دار جھوٹ بولتے ہیں

جو راستے کی رکاوٹ تھے کٹ گئے کب کے؟
کھڑے ہوئے ہیں جو اشجار جھوٹ بولتے ہیں

انہیں شرف ہی نہیں ہے کہ سچی بات کریں
ہوں زر نواز کہ زر دار جھوٹ بولتے ہیں

یہ اعتبار کا سودا بڑا خسارہ ہے
قسم اٹھا کے دکاں دار جھوٹ بولتے ہیں

مرے سخن کی حقیقت ہی اور ہے ہمدم
نہیں نہیں مرے اشعار جھوٹ بولتے ہیں

☆

خزاں لباس ہوں، گل زار جھوٹ بولتے ہیں
یہ میرے پھول، مرے خار جھوٹ بولتے ہیں

سفید رنگ کی مٹی اگر نہیں مہنگی
تو کیا یہ حسن کے بازار جھوٹ بولتے ہیں

یہ پگڑیاں ہی علامت نہیں صداقت کی
بلندیوں پہ بھی مینار جھوٹ بولتے ہیں

اِک اور ضربِ کلیمی یہاں ضروری ہے
خدا کے گھر میں بھی دیں دار جھوٹ بولتے ہیں

یہ امن امن کا پرچار تو ڈراما ہے
عدو کے ہاتھ میں ہتھیار جھوٹ بولتے ہیں

یہی بہت کہ میں چوپال میں کھڑا ہوا ہوں
میں کج کلاہ ہوں یہ سردار جھوٹ بولتے ہیں

قدم قدم پہ وتیرہ ہے عام لوگوں کا
یہی نہیں کہ ریا کار جھوٹ بولتے ہیں

نہیں ملے تو کسی دن تجھے بھلا دیں گے
ہم اپنے آپ سے ہر بار جھوٹ بولتے ہیں

کسی کے غم پہ نہیں اپنے غم پہ روتے ہیں
یہی ہے سچ کہ عزادار جھوٹ بولتے ہیں

مفاہمت کی زباں ہو کہ مصلحت کوشی
منافقت کے یہ معیار جھوٹ بولتے ہیں

فریب چشم سرابوں سے کم نہیں ہوتا
ہو آئینے سے نمودار جھوٹ بولتے ہیں

یہ بولتے ہیں کہ گھر کے مکین جاگ اٹھیں
مری گلی کے صداکار جھوٹ بولتے ہیں

حسین لبوں کا تکلم تو دل چراتا ہے
مزید یہ کہ مزے دار جھوٹ بولتے ہیں

کسی کے لعل و جواہر بھی چھپ نہیں سکتے
نہ مال و زر کے یہ انبار جھوٹ بولتے ہیں

وہ ایک بار جو بولیں تو درگزر بھی کریں
ستم تو یہ ہے کہ ہر بار جھوٹ بولتے ہیں

یہی ہجوم بنے گا یزید کا لشکر
قدم قدم پہ وفادار جھوٹ بولتے ہیں

بس ایک عشق کا سکہ دوام ہے ہمدم
وفا کے شہر میں دینار جھوٹ بولتے ہیں

☆

ہمارے عہد کو بخشی گئی تقدیرِ آزادی
خدا کا شکر ہے ہم کو ملی تنویرِ آزادی

ازل سے ابنِ آدم نے جو کی تدبیرِ آزادی
ہماری پاک دھرتی ہے وہی تفسیرِ آزادی

ستارہ سبز پرچم پر ہلالی عزم لکھتا ہے
یہی میرا فسانہ ہے یہی تحریرِ آزادی

وفا کی خاک دانی میں خودی کی آبیاری کر
یہی مقصودِ فطرت ہے یہی تعمیرِ آزادی

شہیدوں کا لہو کوئے وفا آباد رکھتا ہے
ملی ہے خاک زادوں کو عجب توقیرِ آزادی

اگر ہم ایک ہو جائیں تو پاکستان بنتا ہے
اخوت کا تعلق ہے یہی زنجیرِ آزادی

جسے اقبال نے لکھا ہوا ہے خطبۂ دل میں
ملے گی پاک دھرتی پر وہی تعبیرِ آزادی

شعورِ زندگی اترا فقط آزاد بندوں پر
غلاموں پر نہیں لگتی کبھی تعزیرِ آزادی

قفس بھی قید رکھ سکتا نہیں موجِ جنوں خیزی
صدائے موجۂ گل ہے مری تقریرِ آزادی

ہمارے خواب بھی اک دن سنہری دھوپ دیکھیں گے
غلامی سے تو بہتر ہے ہمیں شب گیرِ آزادی

وہ جس کی آس پر ہم نے لہو سے ابتدا کی تھی
کسی دن ہم بھی دیکھیں گے وہی تصویرِ آزادی

یہی ہے فرق کوڑوں اور تلواروں کے زخموں میں
جو نخچیرِ غلامی تھا ہوا نخچیرِ آزادی

مرا قومی ترانہ ہے محبت کی زباں ہمدم
مرا بے باک نعرہ ہے یہی تکبیرِ آزادی

☆

سرابِ دشتِ تمنا سے دور لائے ذرا
جسے تلاش رہا ہوں کوئی دکھائے ذرا

یہ خامشی جو ترے ہجر کی علامت ہے
کبھی وجود کے اندر ہی سنسنائے ذرا

درِ شعور پہ رکھا ہے لامکاں میں قدم
مرے خمیر کی دھرتی بھی زلزلائے ذرا

قبائے عرصۂ دل کی کلی نہیں کھلتی
کسی گلاب سے کہہ دو کہ مسکرائے ذرا

وہ جس کی چھاؤں میں جھولیں سہیلیاں جھولے
جدید شہر بھی ایسا شجر اگائے ذرا

غمِ فراق میں جینا عذاب لگتا ہے
کسی کے ہجر کا قصہ کوئی سنائے ذرا

سب اپنے آپ کو سر پر اٹھائے پھرتے ہیں
جو بار ہم نے اٹھائے کوئی اٹھائے ذرا

شجر اکھاڑ دیے ہیں خراب موسم نے
مرے چمن کو ہوا سے کوئی بچائے ذرا

ہم اپنے عہد سے آگے کی سوچتے کب ہیں؟
کوئی تو خواب کی صورت ہمیں دکھائے ذرا

ہزار چاہنے والوں میں کوئی تم سا ہو
روِش روِش مرے قدموں میں دل بچھائے ذرا

یہ زندگی کا تعلق ہے سانس کا رشتہ
ذرا سی دھوپ ہے رہنے دو ساتھ سائے ذرا

یہی نہیں ہے کہ غیروں کی بات مت مانیں
قبول کیجیے اپنوں کی ایک رائے ذرا

ہر ایک درد بھلا کر میں گھر پلٹتا ہوں
مرے مکان سے پہلے ہے غم سرائے ذرا

صدائے موجِ سخن میں گلوں کا ذکر کریں
صبا کے باب میں آنچل کی بات آئے ذرا

کسی کو یاد بھی رہنا رہا نہیں ممکن
بڑھا دیے ہیں دلوں نے بھی کچھ کرائے ذرا

خیال و خواب کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھے
یہ آئینہ بھی کبھی خود سے آشنائے ذرا

شبِ وصال جو دیکھا ہے چاند الجھن میں
نظر کی جھیل میں خود کو اتار لائے ذرا

ہم اپنی حد سے زیادہ بڑھے نہیں ہیں مگر
جو کام کر نہ سکے ہم کوئی کرائے ذرا

بگڑ گئے ہیں زمانے کی چال سے ہمدم
نئے سرے سے ہمیں بھی کوئی بنائے ذرا

☆

حرفِ تازہ پہ یہ اعراب مرے اپنے ہیں
حرکتِ قلب کے مضراب مرے اپنے ہیں

ہجر آنکھوں میں پنپتا ہے چھلک پڑتا ہے
خشک جھیلوں میں یہ سیلاب مرے اپنے ہیں

میں نے ہر آنکھ میں تعبیر سحر کرنی ہے
خواب زادوں کے سبھی خواب مرے اپنے ہیں

میں کنارے سے بھی گرداب اٹھا لایا تھا
عین گہرائی میں گرداب مرے اپنے ہیں

میں قلندر ہوں زمانے سے کہاں ڈرتا ہوں
کوچۂ عشق میں آداب مرے اپنے ہیں

میں ستارہ ہوں بجھانے سے کہاں بجھتا ہوں
میرے اطراف یہ سیماب مرے اپنے ہیں

خاک دشمن کے علاقے سے بہا لایا ہوں
میرے پانی سے بھی سیراب مرے اپنے ہیں

میرے اجداد نے بخشا ہے خزانہ مجھ کو
لعل و گوہر ہیں جو نایاب مرے اپنے ہیں

میں نہ بزدل ہوں نہ دشمن ہے سکندر جیسا
سارے رستم سبھی سہراب مرے اپنے ہیں

میں زمیں زاد کہاں بام کو چھو سکتا ہوں؟
آسماں پر بھی تو سرخاب مرے اپنے ہیں

میں نے ہر خواب کو یوں مفت میں تقسیم کیا
میری آنکھوں سے شفایاب مرے اپنے ہیں

کس کے چہرے پہ میں تہذیب کا نوحہ لکھوں
خوف کی جنگ ہے، خوں ناب مرے اپنے ہیں

اپنے ہاتھوں سے بگاڑے ہیں خد و خال مگر
مسخ چہرے پہ بھی تیزاب مرے اپنے ہیں

شوخیِ چشمِ بصیرت سے الجھ بیٹھا ہوں
آبگینوں میں سرِ آب مرے اپنے ہیں

رنگ ہجرت کے پرندے ہیں چلے آئے ہیں
عکس میرے نہیں تالاب مرے اپنے ہیں

شعر کہتا ہوں سناتا ہوں سرِ موجِ سخن
حلقۂ ذوق میں ارباب مرے اپنے ہیں

لامکانی پہ مرے نقش قدم ہیں اب تک
گنبدِ چرخ کے محراب مرے اپنے ہیں

کہکشاؤں میں اجالا ہے انہیں کے دم سے
ان ستاروں میں جو مہتاب مرے اپنے ہیں

چند اشجار سرِ راہ اگا رکھے ہیں
گلشنِ ہست میں شاداب مرے اپنے ہیں

ایک دشمن ہے جو قائم ہے جفا پر ورنہ
دوست اپنے ہیں نہ احباب مرے اپنے ہیں

اِن چناروں کو بہاروں کی نمود دیتے ہیں
سرد موسم ہیں جو برفاب مرے اپنے ہیں

میں نے سیکھا ہے پرندوں سے محبت کرنا
زندہ رہنے کے یہ اسباب مرے اپنے ہیں

میرے احساس کی خوشبو میں بھی تم ہی تم ہو
موجۂ گل کو یہ القاب مرے اپنے ہیں

اپنا کردار نبھانا ہے بخوبی ہمدم
ہر کہانی میں کئی باب مرے اپنے ہیں

☆

حرف ریزی کی آگہی میں ہم
خون اگلتے ہیں شاعری میں ہم

تیرگی میں چراغ جلتے ہیں
دل جلاتے ہیں روشنی میں ہم

آنکھ ہے تیرے کنارے پر
موج دیکھیں گے جل پری میں ہم

آپ آنکھوں کی بات کرتے ہیں
خواب رکھے ہیں طشتری میں ہم

خاک دانی میں چاک رکھا ہے
کیا بنائیں گے زرگری میں ہم

عشق کیسا جنون ہے صاحب
بے خرد ہیں نہ بے خودی میں ہم

ہم تو عہدِ جنوں کے بندے ہیں
ہوش رکھتے ہیں بے کلی میں ہم

خود کلامی ہے یا خموشی ہے
کہہ رہے ہیں جو ان کہی میں ہم

یوں سجاتے ہیں بزمِ موج سخن
گیت ہو جائیں نغمگی میں ہم

وقت اپنا اسیر کرنے کو
آن بیٹھے ہیں کس گھڑی میں ہم

یہ تو احساسِ کج ادائی ہے
کب ہیں احساس کمتری میں ہم

کون کہتا ہے دشت ویراں ہے
گھر بنائیں گے بے گھری میں ہم

سوختہ جاں ہیں کس شرارے میں
جل بجھے ہیں جو شعلگی میں ہم

چاند اترے گا خشک جھیلوں میں
اور نہائیں گے چاندنی میں ہم

چاک دامن ہیں خار زاروں میں
پھول جیسے ہیں تازگی میں ہم

ہر گلی میں انا کے تاجر ہیں
بھیک مانگیں تو کس گلی میں ہم؟

بے چراغی سی بے چراغی ہے
کیا جلائیں گے تیرگی میں ہم

زندگی کی تلاش میں گم ہیں
کس کو پائیں گے زندگی میں ہم

اِن شریعت مزاج لوگوں سے
جیت جائیں گے عاشقی میں ہم

سر اٹھائیں گے آسمانوں میں
دِل جھکاتے ہیں بندگی میں ہم

ہم بھی مہکیں گے پھول چہروں میں
موجۂ گل ہیں جو کلی میں ہم

ہر کسی پر یقین کرتے ہیں
مارے جاتے ہیں سادگی میں ہم

ہم نے جھکنا ابھی نہیں سیکھا
ٹوٹ جاتے ہیں راستی میں ہم

دُھول ہے یا کہ کارواں اپنا
کیوں بھٹکتے ہیں پیروی میں ہم

مال و زر ہے نہ زر پجاری ہیں
خواب رکھتے ہیں بے کسی میں ہم

ہوش اتنا ہے کیا کہیں ساقی
لڑکھڑاتے ہیں مے کشی میں ہم

ہم نے ہمدم یہی کمایا ہے
نام رکھتے ہیں دوستی میں ہم

☆

رنگ بدلا ہے صراحی کا نہ پیمانے کا
ہم نے دیکھا ہے تماشا ترے مے خانے کا

شہر سے دور ترا قیس ہے لیلائے جنوں
دشت آباد ہے مسکن ترے دیوانے کا

میں نے ایمان کے سائے میں محبت کی ہے
یہ مرا عشق فسانہ ہے صنم خانے کا

بند آنکھوں میں تری یاد کا پس منظر ہے
خواب در خواب وسیلہ ہے تجھے پانے کا

موج در موج کئی روپ بدل سکتا ہے
آئینہ نام ہے پانی کے چھلک جانے کا

تیرے اپنے تو سرِ خاک پڑے ملتے ہیں
نام اونچا ہے ترے شہر میں بے گانے کا

مجھ کو پینے کا سلیقہ ہی کہاں ہے ساقی!
شکریہ! جام سے پہلے مجھے بہکانے کا

راکھ جلتی ہے ابھی شعلہء ایام کے ساتھ
نام زندہ ہے ابھی شمع کے پروانے کا

دردِ ہجراں کا مداوا ہے کہ ہجرت اپنی
کام جو دل نے کیا دشت میں لے جانے کا

وقتِ رخصت ہی سہی بام سے پرسہ دینا
صاحبا! کچھ تو صلہ! جان کے نذرانے کا

تیرے لب پر ہے مرے شعر کا مصرع ورنہ
دوسرا بول مرے دل میں ہے دوگانے کا

میرا اعزاز کہ میں تیری قبا تک پہنچا
شکریہ! ہجر کی پوشاک میں دفنانے کا

میرے احساس کا غنچہ خس و خاشاک سے ہے
مجھ کو رکھنا ہے بھرم کھیت کے ہر دانے کا

کیف اترا ہے مری ذات کے پیمانے میں
تھام رکھا ہے جو دامن کسی مستانے کا

ہر کہانی سے ترا نام جڑا ملتا ہے
تیرا کردار ہی کردار ہے افسانے کا

سنگِ مرمر سے بناتے ہیں حویلی لیکن
سنگِ بنیاد وہ رکھتے نہیں کاشانے کا

اتفاقاً ہی کبھی موت ملا سکتی ہے
ہجر آزار ہے جیتے جی نہیں جانے کا

شہرِ ادراک سے آگے ہی قدم اٹھتے ہیں
دِل سے نکلا نہیں رستہ کبھی ویرانے کا

قید رکھتی ہے جسے چشمِ تمنا ہمدم
آئینہ زاد کا پیکر ہے نہاں خانے کا

☆

آئینے بھی سراب خانے ہیں
کتنے نازک سے آشیانے ہیں

ابنِ آدم ہوں زندگی ہوں میں
سب زمانے مرے زمانے ہیں

اِن سے قائم ہے بندگی کا بھرم
یہ جو دو چار سے دوانے ہیں

عزمِ نو کی مسافتوں کی قسم
ہم نے نقشِ کہن مٹانے ہیں

روشنی کا خراج ہے ہم پر
ہر قدم پر دیے جلانے ہیں

لہلہانے لگی ہے موجِ سخن
حرفِ تازہ کے شاخسانے ہیں

کن مسائل کی بات کرتے ہو؟
کس نے عملی قدم اٹھانے ہیں

جھک رہا ہے وجود سجدے میں
بت انا کے ابھی گرانے ہیں

گھومتا ہوں غلام گردش میں
زندگی کے عجیب خانے ہیں

اس کو دنیا سلام کرتی ہے
جس کے دامن میں سیر دانے ہیں

دِل کا غنچہ ہرا نہیں ہوتا
بے نمودی ہے خشک دانے ہیں

دوستوں پر یقین ہے لیکن
ہم نے دشمن بھی آزمانے ہیں

دل کے صحرا سے دشتِ ویراں تک
عشق صاحب کے آستانے ہیں

اشہبِ فکر دوڑتا ہے کہاں
سر پہ قسمت کے تازیانے ہیں

بن رہا ہوں خیال کی چادر
فکرِ فردا کے تانے بانے ہیں

چشمِ بینا چراغ ہونی ہے
اشک آنکھوں میں جھلملانے ہیں

سو عدد ہی مرا مقام نہیں
جشن کتنے ابھی منانے ہیں

پاک دھرتی کی سبز کھیتی میں
پھول کتنے ہی لہلہانے ہیں

ہم نے بوئی ہوئی ہے فصلِ سخن
پیڑ اردو کے کچھ اگانے ہیں

خواہشوں کا عروج ہے دل پر
دھڑکنوں میں نگار خانے ہیں

میرؔ و غالبؔ جدید ہیں ہمدمؔ
کب مرے عہد میں پرانے ہیں

☆

دیدۂ آگہی سے ملتا ہے
آئنہ روشنی سے ملتا ہے

مے کشی کے سرور میں کب ہے
جو نشہ تشنگی سے ملتا ہے

کوچۂ دل سے کوچۂ جاں تک
راستہ کس گلی سے ملتا ہے

خاک زدگی میں خدوخال کہاں؟
نقش کوزہ گری سے ملتا ہے

کون کہتا ہے رب نہیں ملتا؟
ہاں مگر بندگی سے ملتا ہے

تجھ کو رکھا ہے مصرعۂ تر میں
تو مری شاعری سے ملتا ہے

شیخ صاحب ترا نصیب کہاں؟
جو مزا دل لگی سے ملتا ہے

عشق اہلِ خرد کا کام نہیں
یہ جنوں بے خودی سے ملتا ہے

خاص ہوتے ہیں رابطے دل کے
دل کہاں ہر کسی سے ملتا ہے

تتلیاں پھول کی علامت ہیں
یہ پتا بھی کلی سے ملتا ہے

اڑ رہا ہوں کہ میرے خواب کا پر
ذوقِ آوارگی سے ملتا ہے

سر بلندی مقام ہے ان کا
فیض جن کو دری سے ملتا ہے

دِل نظر سے کشید کرتا ہے
حُسن جو سادگی سے ملتا ہے

دِل کی نگری ہے وہ جہاں شاید
خواب زادہ پری سے ملتا ہے

میرؔ و غالبؔ کے درمیاں کچھ تو
ریختہ مصحفیؔ سے ملتا ہے

ڈھونڈتا ہوں تو اپنے دِل کا پتہ
زندگی کی گلی سے ملتا ہے

گھر کے بجھتے ہوئے چراغوں کا
یہ دھواں تیرگی سے ملتا ہے

خامشی بھی کلام ہے ہمدم
یہ کہا، ان کہی سے ملتا ہے

☆

آئینۂ ادراک سجایا ہے نظر میں
صحرائے زمانہ سے گزرنا ہے سفر میں

میں کوچۂ افلاک سے نکلا ہوں سفر میں
سورج بھی بھٹکتا ہے مری راہ گزر میں

تعبیر ترے دل کی ہتھیلی پہ دھری ہے
اور خواب مچلتا ہے مرے دیدۂ تر میں

مادر کی محبت ہے، وہی شفقتِ پدری
ماں باپ کی ہے جان مرے نورِ نظر میں

میں دشت جنوں زاد میں اڑتا ہوا پنچھی
پرواز کا جذبہ ہے ابھی خواب کے پر میں

کچھ دیر ہے بس! قافلہ سالار سے کہنا
پیغامِ سحر نو ہے سر راہ گجر میں

گمنام اندھیروں میں اجالوں کی سحر ہے
بجھتے ہیں کہاں دل کے دیے گرد سفر میں

پھر دیکھنا اوقات مرے طاق عدد کی
بس ایک ملانا ہے مجھے اپنے "صفر" میں

رہتی ہے مری آنکھ ستاروں کی ضیا میں
سورج نظر آتا ہے مجھے خواب سحر میں

دِلی کا دبستاں نہ اودھ کا ہے فسانہ
برقی کی تجلی ہے کسی برق نگر میں

چھاؤں میں تو سورج کا بھی سایہ نہیں ملتا
دنیا کی حقیقت ہے اسی دھوپ نگر میں

ہم زاد کے سائے سے بھی خوف آتا ہے اکثر
پڑتی ہے نظر خود پہ جو آسیب کے ڈر میں

بنتے ہیں دراڑوں میں انا میز گھروندے
دیوار سی اٹھتی ہے جو اذہان کے در میں

پر کیف محبت ہے کہ پاؤں نہیں اٹھتے
رکھا ہے ابھی پہلا قدم دل کے نگر میں

وہ سیپ کا موتی ہے مقدر سے ملے گا
انساں جسے کہتے ہیں نہیں لعل و گہر میں

ہلکا سا دھندلکا ہے اندھیرا تو نہیں ہے
اِک دیپ سا روشن ہے ابھی بجھتے شرر میں

موجوں کے سہارے مجھے چلنا نہیں آتا
کشتی مری رہتی ہے خطرناک بھنور میں

ہنگامۂ فردا میں ہے تعمیر کا پہلو
تاریخ کا ورثہ ہے جو ویران کھنڈر میں

وہ حرف جو رہتا ہے مری فکر میں ہمدم
رکھا ہے سرِ موجِ سخن مصرعۂ تر میں

☆

خواب صحرا کے دھندلکے سے نکلتے دیکھا
آئینہ زاد فسانے کو اُجلتے دیکھا

صبح کا رنگ، کبھی شام کو ڈھلتے دیکھا
ہم نے سورج کو کئی روپ بدلتے دیکھا

مجھ کو ہجراں کی تمازت نے وہ سایہ بخشا
ایک سایہ سا اسی دھوپ میں جلتے دیکھا

میں بھی چپکے سے سرِ راہ نکل آیا ہوں
دِل کے صحرا میں کسی خواب کو چلتے دیکھا

کوئی نسبت ہے جو بے چین کیے رکھتی ہے
دل بھی مٹی کے کھلونے پہ مچلتے دیکھا

میری آوارہ مزاجی ہے کہ موسم کا اثر
خود کو دریا کے کنارے پہ ٹہلتے دیکھا

حرف ریزی میں درِ میر سے وہ جون ملی
خون احساس کی بھٹی میں ابلتے دیکھا

یوں ہی لہجے میں یہ تلخی سی نظر آتی ہے
میں نے سقراط کو کب زہر نگلتے دیکھا

جس نے سینچا تھا جوانی میں مری مٹی کو
دِل کی دھرتی کو وہی خون اگلتے دیکھا

جب بھی طوفان کے سینے پہ قدم رکھا ہے
موج در موج سمندر کو دہلتے دیکھا

یوں بھی امروز نہ فردا سے تعلق رکھا
خود کو یادوں کے دریچے سے بہلتے دیکھا

لوگ ملتے ہیں محبت میں ڈسے جاتے ہیں
آستینوں میں کوئی سانپ نہ پلتے دیکھا

تجھ سے نسبت تھی تو دشمن بھی نہیں تھا کوئی
تیرے ہوتے ہوئے طوفان بھی ٹلتے دیکھا

روشنی دور اندھیروں سے چھنی جاتی تھی
دو چراغوں کو بڑی دیر پگھلتے دیکھا

جس کو دیکھا ہے کئی بار بہ انداز دگر
اُس کو ہر بار ہی انداز بدلتے دیکھا

کیا ہمکتا ہے محبت کے نشے میں ہمدم
دِل کو سینے میں کئی بار اچھلتے دیکھا

☆

خوابوں کی سر زمین پہ آباد ہم ہوئے
کہتا ہے کون ظلم سے آزاد ہم ہوئے

بے بال و پر تھے قید میں صید زبوں رہے
باغی ہوئے تو شہر میں صیاد ہم ہوئے

ہم بھی وہیں تھے خون کی ندیاں جہاں بہیں
گویا شریکِ جرم تھے جلاد ہم ہوئے

کاٹی ہیں گردنیں کئی خواہش کے گھاٹ پر
حرص و ہوس میں بھی ستم ایجاد ہم ہوئے

عہدِ گماں پہ رقم ہیں بکھرے ہوئے وجود
تاریخ کے جمود کی روداد ہم ہوئے

کوہِ شبِ فراق بھی کاٹا ہے عشق میں
ذوقِ جنوں کی جنگ میں فرہاد ہم ہوئے

منزل ہماری ذات سے پیچھے پڑی ملی
بھولے ہوئے شعور کو جب یاد ہم ہوئے

جھیلی ہے پور پور میں ظلمت گزیدگی
ٹوٹے بدن میں نالہ و فریاد ہم ہوئے

خاموش تھے تو صفر تھے بابِ حساب میں
ناطق ہوئے تو بولتے اعداد ہم ہوئے

مردہ پرست فکر میں قحط الرجال ہے
کیسے اٹھے گی قوم جو افراد ہم ہوئے

ترسے ہیں بوند بوند کو دریا کے آس پاس
جیسے کسی غریب کی اولاد ہم ہوئے

دیکھا ہے خارزار نے کلیوں کا بانکپن
کانٹوں کے درمیان جو گل زاد ہم ہوئے

کٹتی ہے زندگی کسی الجھن کے درمیاں
کب شادماں رہے ہیں جو ناشاد ہم ہوئے

ہم اپنے خدّ و خال کو پہنچے نہیں کبھی
کوزہ گروں کے ہاتھ میں بے داد ہم ہوئے

گونجی ہے شہر شہر میں اپنی صدائے دل
گنتی میں گو قلیل سی تعداد ہم ہوئے

دیکھی نہیں کہیں بھی وہ جنت خیال کی
خواہش کے ہر جہان میں شدّاد ہم ہوئے

بنجر زمین دیکھ کے پودے لگا دیے
بوڑھے شجر تھے صاحبِ اولاد ہم ہوئے

جائیں گے کس جہان میں دنیا کو چھوڑ کر
جی کر تو اس جہان میں برباد ہم ہوئے

پالا ہوا تھا ذہن میں تو نے یزید کو
لیکن خدا کے سامنے سجاد ہم ہوئے

شعروں میں اس کے حسن کی تعریف کے بغیر
سچی غزل کو چھوڑ کے نقاد ہم ہوئے

خود سے ملے نہیں تھے مگر تم سے مل گئے
آئینۂ خیال میں ہمزاد ہم ہوئے

موجِ سخن کی بزم میں خوشبو سی گھل گئی
اُس کے لبوں سے جب کبھی ارشاد ہم ہوئے

پیکر ملا تو گا چنی مٹی میں ڈھل گئے
گویا کہ خاک دان کی بنیاد ہم ہوئے

کردار کے عروج پہ رکھا گیا ہمیں
ہمدم وفا کے شہر میں استاد ہم ہوئے

☆

کیا چشم تماشا ہے کہ حیران بہت ہیں
ہم اپنے کمالات سے انجان بہت ہیں

ہو عشق جنوں خیز تو میدان بہت ہیں
کہتے ہیں پری زاد کہ ایوان بہت ہیں

آنکھوں میں اترتے ہیں ٹھہرتے ہیں مسافر
یہ دل کی سرائے ہے جو مہمان بہت ہیں

ہر خواب کے منظر میں پرستش کی فضا ہے
ہاں دل کی صنم گاہ میں بھگوان بہت ہیں

ہاں ناطق قرآن فقط ایک ہوا ہے
ویسے تو یہاں حافظِ قرآن بہت ہیں

تہذیب کا جنگل ہے کہ وحشت کا بسیرا
حیوان زدہ شہر میں انسان بہت ہیں

ہر موڑ پہ ہیں دار یہاں شہر انا میں
مرنے کی تمنا ہو تو زندان بہت ہیں

جذبوں کو نمائش کی ضرورت نہیں رہتی
گر پھول کھلیں دل سے تو گل دان بہت ہیں

اِک سانس ہی جینے کی علامت نہیں ہوتی
زندہ ہیں مگر ہجر میں بے جان بہت ہیں

سودا ہے دل و جاں کا نفع ہو نہیں سکتا
اس کارِ محبت میں تو نقصان بہت ہیں

حالات ریاضی کے سوالوں کی طرح ہیں
مشکل ہیں حقیقت میں جو آسان بہت ہیں

سورج کے نکلنے میں بڑی دیر لگے گی
بے رنگ دھندلکے ہیں، بیابان بہت ہیں

ملتے ہیں مگر صاحبِ کردار بہت کم
کہنے کو زمانے میں مسلمان بہت ہیں

ہے شام و سحر لب پہ تعوذ کا وظیفہ
کہتے ہیں مرے شہر میں شیطان بہت ہیں

لگتا ہے کہ دیمک نے انھیں چاٹ لیا ہے
آسیب زدہ ذہن بھی سنسان بہت ہیں

دامن ہیں کئی اور بھی تعزیر کے قابل
اے دستِ جنوں زاد گریبان بہت ہیں

یہ اپنی طبیعت ہے کہ ہنس کھیل رہے ہیں
ورنہ تو یہاں درد کے سامان بہت ہیں

جلتی ہوئی دھڑکن ہے کہیں سوختہ جاں ہیں
ہجراں میں تڑپنے کے بھی عنوان بہت ہیں

غالبؔ ہے نہ دنیا میں کوئی میرؔ سخن ہے
کہنے کو یہاں صاحب وجدان بہت ہیں

گنجینۂ ادراک مرے پیش نظر ہے
آنکھوں سے پرے خواب کے امکان بہت ہیں

انداز محبت کے زمانے سے جدا ہیں
جینے کا سلیقہ ہو تو عنوان بہت ہیں

ہر لفظ ہے آنکھوں میں دمکتا ہوا جگنو
پلکوں سے چھلکتے ہیں جو دیوان بہت ہیں

لائیں گے کبھی مصرعۂ تر شعر میں ہمدمؔ
احساس کی دنیا میں سخن دان بہت ہیں

☆

خواب زدگی ہے مگر اک خواہشِ پرواز ہے
ہر قدم میرے جنوں کا اور ہی انداز ہے

جل رہے ہیں آندھیوں میں بھی درودیوار پر
ان چراغوں سے ہماری روشنی آغاز ہے

کوچۂ جاں سے گزرتی ہے کوئی موجِ سخن
نغمۂ بادِ صبا ہے یا تری آواز ہے

دیکھ لیتا ہوں میں اپنے آپ کو الجھا ہوا
ہر گھڑی پیشِ نظر جو آئینہ ہم راز ہے

عکس اترا تھا کبھی انوار میں لپٹا ہوا
جھیل کا پانی ابھی تک جلوۂ مہناز ہے

زندگی کی رونقیں ہیں گردشِ ایام سے
تلخیِ شہزاد ہے یا شوخیِ شہناز ہے

جھوٹ سے ٹکرا رہا ہے کون سینہ تان کر
کیا ممولا ہے جو اپنے دور کا شہباز ہے

ہم گلستان و خیاباں سے گزرتے جائیں گے
رہنمائے دل ہمارا سعدیِ شیراز ہے

ایک آہٹ سی سنی تھی خواب کے دالان میں
دل ابھی تک مضطرب ہے گوش بر آواز ہے

آج تک بھولا نہیں تیری مسیحائی کو میں
آج تک میری طبیعت ہجر میں ناساز ہے

میں کفِ ادراک پر خاموش کیوں بیٹھا رہوں
بے قراری آگہی میں درد کی غمّاز ہے

ڈوبتے تارے طلوعِ صبح کا سامان ہیں
یہ تنک تابی ہمارے دور کا آغاز ہے

آپ سے بڑھ کر مجھے مرشد کوئی پیارا نہیں
آج میں جو کچھ بھی ہوں یہ آپ کا اعجاز ہے

کس قدر بے ربط سانسیں لے رہے ہیں لوگ بھی
زندگی میں سوز ہے، نے دھڑکنوں میں ساز ہے

زندگی کے راستے کا راز ہے ہمدم وہی
خارزاروں میں بسا وہ شخص جو گل ناز ہے

کھول دیتی ہے رگوں میں زندگی بندِ قبا
پاک دھرتی کی فضا ہمدم مری دم ساز ہے

نذرِ اقبال

پھر کسی تہذیب کی بنیاد رکھنی ہے تجھے
''اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے''

ہیں شمالی اور جنوبی راستے تیرے لیے
''مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے''

آئینہ بھی مجھے خاص رکھتا نہیں
کیا کروں کوئی احساس رکھتا نہیں

وسوسوں کا جہاں چارسو ہے مگر
ذہن میں کوئی خنّاس رکھتا نہیں

خواب زدگی میں ہی شاد رہتا ہوں میں
میں تو تعبیر کی آس رکھتا نہیں

یوں خزاؤں نے گھیرا ہوا ہے اسے
پھول کھل کر یہاں باس رکھتا نہیں

لا کے رکھتی ہے تصویر پیشِ نظر
وہ بصیرت جو عکاس رکھتا نہیں

دھڑکنوں میں رچی ہے وہ پاکیزگی
صاف دل شرّ وسواس رکھتا نہیں

سات دریاؤں میں بہہ رہا ہے مگر
عشق زادہ ہے دل پیاس رکھتا نہیں

کائی اُگنے لگی ہے عجب سوچ میں
بام و در پر کوئی گھاس رکھتا نہیں

کچھ تو آثار ملتے ہیں بہرِ جنوں
دل کسی پر یونہی قیاس رکھتا نہیں

دل بھی جاگیر داری میں درویش ہے
جھونپڑی میں جو افلاس رکھتا نہیں

لاکھ خطرے دلِ مضطرب میں رہیں
وہ خدا مجھ کو بے آس رکھتا نہیں

مل رہے ہیں سرابی کنارے مگر
دل کا دریا کوئی طاس رکھتا نہیں

روشنی کا جہاں میری آنکھوں میں ہے
میں کسی کا دیا پاس رکھتا نہیں

حرفِ سادہ ہے ہمدم نوائے سخن
میں قلم اور قرطاس رکھتا نہیں

☆

خیال و خواب کے پیکر کی آبرو تو ہے
یہ آرزو ، یہ تمنا ، یہ جستجو تو ہے

ہر ایک بات میں شامل ہے میرے دل کی بات
کوئی بھی بزم ہو ، موضوعِ گفتگو تو ہے

ترے وجود سے لپٹا ہے عکس خوشبو کا
جمال رنگ تصور میں روبرو تو ہے

یہ آئینے کا تماشا سراب زندگی ہے
وگرنہ حسنِ تخیل میں چار سو تو ہے

کھلی ہے دھوپ کی سرسوں میں چاندنی تیری
فلک پہ چاند کے پردے میں ماہ رو تو ہے

میں تیرے چاک پہ نکھرا ہوں میرے کوزہ گر
مرے خمیر کی مٹی، مری نمو تو ہے

نبھا رہا ہے کہانی میں آخری کردار
محبتوں کے فسانے میں رنگ و بو تو ہے

دوام ہونے لگا ہے جو سلسلہ میرا
عروج مجھ کو ملا ہے کہ سرخ رو تو ہے

ترا مقام الگ ہے وفا کی بستی میں
ہزار دوست ہیں لیکن حبیب تو تو ہے

ترا سراغ ہے مشرق سے لے کے مغرب تک
کہ تو ہی قریہ بہ قریہ ہے، کو بہ کو تو ہے

حیات بن کے رہے گی جو آخری دم تک
قسم خدا کی مری پہلی آرزو تو ہے

ترے وصال نے بخشی ہے زندگی ہمدم
جو خشک جھیل میں اتری ہے آب جو تو ہے

☆

خیال و خواب کی صورت کسی فشار میں تھے
ہم آئینے سے لپٹتے ہوئے غبار میں تھے

ترے خیال کے موسم جو اختیار میں تھے
ہمیں خبر ہی نہیں تھی کہ کس قرار میں تھے

سفر شریک میں تھے نے وفا شعار میں تھے
جو رکھ رکھاؤ کے انداز میرے یار میں تھے

ترے خیال کی چوکھٹ پہ دھیان رکھے ہوئے
خوش آمدید! کہ ہم تیرے انتظار میں تھے

فریب زاد اداؤں پہ کیا یقیں رکھتے
سراب بن کے بگولے نگاہِ یار میں تھے

میں خار و خس کو بھی گلشن خیال کرتا تھا
یہ لوگ صفر تھے لیکن مرے شمار میں تھے

کسی کے پھول کو کچلا کسی کو خار کیا
خزائیں بانٹنے والے مگر بہار میں تھے

میں جانتا تھا مری آستیں نہیں خالی
خزاں سرشت شجر بھی مری بہار میں تھے

گلاب رت ہے دلوں میں، نشہ نہیں اترا
نجانے کیسی فضا تھی عجب خمار میں تھے

ہراس پھیلا ہوا ہے اداس جنگل میں
پرانے شہر کے باسی کسی شکار میں تھے

جو طے ہوا تھا دلوں میں قرار کے بدلے
محبتوں کے خسارے اسی ادھار میں تھے

یہ قربتوں کے مراحل نئے نہیں لوگو!
ہم ایک عمر سے جلتے ہوئے بخار میں تھے

ڈھلی ہے شام تو جنگل میں رات جاگی ہے
نکل پڑے جو شکاری چھپے کچھار میں تھے

بس ایک ہلکی ہنسی تھی حسین ہونٹوں پر
جواب کتنے سوالوں کے اختصار میں تھے

بتا دیے ہیں عدو کی سخن تراشی نے
جو بھید مجھ پہ کھلے ہیں نہ راز دار میں تھے

ملا ہے بحرِ تغیر میں میرے دل کو سکوں
مرے جنوں کے کنارے تو ہم کنار میں تھے

وہی تھے سب سے نمایاں حسین چہرے پر
جو خد و خال زمانے کے شاہکار میں تھے

بھلا دیا ہے مروت میں عام لوگوں نے
وگرنہ ہم بھی زمانے کی یادگار میں تھے

غم جہان کی شورش نے لاج رکھی ہے
وگرنہ ہم تو قیامت کے انتظار میں تھے

اُتر رہے تھے جو انگلی سے نرم گارے پر
وہ خاص نقش مری ذات کے مدار میں تھے

ہم اپنے عہد سے آگے کے لوگ تھے شاید
سوا پنے وقت سے ٹوٹی ہوئی قطار میں تھے

ہمارے ہاتھ پہ لکھی ہے خودکشی ہمدم
مقام ہم نے گنوائے جو اختیار میں تھے

☆

خواب آور نے کسی دشت میں آباد کیا
آنکھ لگتے ہی مجھے نیند سے آزاد کیا

میں نے پالے ہیں انہیں دیکھ کے اپنے بچے
ان درختوں نے مجھے صاحبِ اولاد کیا

بھیڑ دیکھی ہے عجب قافلہ سالار کے ساتھ
قوم تو ایک تھی لیکن اسے افراد کیا

جھوٹ سننے کا زمانہ ہے حقیقت کیسی
شکریہ! جانِ غزل شعر میں ارشاد کیا

کوئی آیا ہی نہیں گھر میں بسیرا کرنے
ایک ٹوٹی ہوئی دیوار نے برباد کیا

ہم نے دیکھی ہی نہیں اور خدائی ورنہ
خود کو پوجا ہے یہاں جس نے بھی الحاد کیا

اب یہ پتھر کا زمانہ ہے نہ جنگل کوئی
جذبۂ دل کو مگر تیشۂ فرہاد کیا

حسن صیاد کی صورت میں بھلا لگتا ہے
عشق آزاد پرندہ تھا سو آزاد کیا

دل مرا کنجِ غلامی میں مقید کر کے
کس نے مجبورِ تمناؤں کو صیاد کیا

تیرے ہوتے ہوئے دنیا کی ضرورت کیا تھی
جو کیا میں نے محبت میں ترے بعد کیا

چھوڑ جائے نہ مری ذات سرِ ہجر کہیں
میں نے ڈھلتے ہوئے سائے کو بھی ہمزاد کیا

زندگی تو نے سکھائی ہے محبت کرنی
طالبِ عشق ہوئے تجھ کو ہی استاد کیا

ہم نے سینچا ہے شہادت کے لہو سے پرچم
پاک دھرتی ترے سینے کو ہی بنیاد کیا

ہم نے سیکھا ہے کہاں جھوٹ سے پردہ کرنا
ہم نے دیکھا ہے زمانے میں جوروداد کیا

ہم بھی زانوئے تلمّذ ہیں وفا کے آگے
جوشؔ صاحب نے بھی جس عشق کو استاد کیا

کوئی موسم ہو، مرے دل پہ دسمبر گزرا
سرد آہوں سے پکارا ہے تجھے یاد کیا

اپنی اوقات کی بھٹی میں جلا ہوں ہمدمؔ
میں تو مٹی تھا مجھے رزق نے فولاد کیا

☆

تھا عین مگر شین میں شامل ہی نہیں تھا
وہ قاف کبھی عشق کی منزل ہی نہیں تھا

آئینہ کوئی اور مقابل ہی نہیں تھا
سو دل کا بگڑنا کوئی مشکل ہی نہیں تھا

اب آن پڑی ہے تو نمٹنا ہی پڑے گا
یوں خود سے الجھنے کا میں قائل ہی نہیں تھا

اِک اور ہی مشکل تھی سرِ دشتِ تمنا
مشکل تھا مگر ہجر تو مشکل ہی نہیں تھا

جب عشق بھی خیرات میں دینے کی سعی کی
مائل بہ کرم دل پہ وہ سائل ہی نہیں تھا

یا میری عقیدت میں محبت کی کمی تھی
یا عشق مرا مرشدِ کامل ہی نہیں تھا

حالات کی چوٹوں سے جو ٹوٹا ہی نہیں میں
احساس میں تھا سنگ کبھی دل ہی نہیں تھا

سایہ تھا کہ دھڑکا تھا کھٹکتا ہوا دل میں
دستک بھی مرے در پہ تھی سائل ہی نہیں تھا

وہ سامنے آیا ہے تو مارا ہی گیا ہے
چھپنے کو جیسے اور کوئی بل ہی نہیں تھا

تھی میری محبت بھی فعولن کی زمیں میں
اوزان کے میزاں پہ مفاعل ہی نہیں تھا

گونجا تھا گجر دور کہیں، دھول اڑی تھی
احساس کے رستے میں وہ محمل ہی نہیں تھا

اِک ریت کا صحرا تھا سمندر مرے آگے
بیڑی تھی مرے پاؤں میں ساحل ہی نہیں تھا

رکھی تھی اسی شخص نے بنیاد لہو کی
مقتول فقط امن کا قاتل ہی نہیں تھا

تقسیم ہوئے ضرب کے انداز میں ہم لوگ
اثبات کی تفریق میں حاصل ہی نہیں تھا

بے مول خریدا ہے مجھے شہر نے ہمدم
ورنہ میں محبت کے تو قابل ہی نہیں تھا

☆

سرائے چشم تماشا میں آن بیٹھے ہیں
ہم آئینے کا فسانہ بھی چھان بیٹھے ہیں

حقیقتوں کا تصور عیاں نہیں ہوتا
دلِ و نگاہ میں کتنے گمان بیٹھے ہیں

خدا کرے مرا پیغام وہ سمجھتے رہیں
سخن سرائے میں جو ہم زبان بیٹھے ہیں

شجر ملا ہے نہ رستے میں سائبان کوئی
سروں پہ دھوپ کی چادر ہی تان بیٹھے ہیں

ترے خیال پہ رکھی ہیں دھڑکنیں اپنی
سجا کے اپنی خوشی کا جہان بیٹھے ہیں

مرے شعور میں زندہ ہے گردشِ دنیا
یہاں ازل سے کئی خاندان بیٹھے ہیں

بنا دیا ہے محبت نے ہجر میں پتھر
سو اپنے آپ میں ہو کر چٹان بیٹھے ہیں

قدم قدم پہ انائیں ذلیل کرتی ہیں
عدو کی بات جو غلطی سے مان بیٹھے ہیں

امیرِ شہر کے چہرے پہ خوف طاری ہے
غریبِ شہر جو رستے میں آن بیٹھے ہیں

بگڑ گئے ہیں جنوں میں مرید مجنوں کے
وفا کے نام پہ مرنے کی ٹھان بیٹھے ہیں

مرے خدا مری کھیتی ہری بھری رکھنا
نظر میں خواب سجائے کسان بیٹھے ہیں

یہ میرا حسنِ تخیل سرائے لاما ہے
مرے بھی گیان میں کتنے ہی دھیان بیٹھے ہیں

بھگا دیا ہے لٹیروں کو شہر سے باہر
بچا کے بام پہ اپنی مچان بیٹھے ہیں

جدائیوں کا فسانہ نرا خسارہ ہے
رفاقتوں کی حقیقت بھی جان بیٹھے ہیں

یہ خودکشی کا زمانہ ہے کون سمجھے گا؟
ہم اپنے آپ پہ خنجر بھی تان بیٹھے ہیں

صدائے شہرِ خموشاں میں نام ہے کس کا؟
نجانے کتنے یہاں بے نشان بیٹھے ہیں

کہاں لیے ہوئے چلتی ہے موج کی دنیا
بنا کے پانی پہ اپنا مکان بیٹھے ہیں

ہمارے عشق کا مسلک خدا پرستی ہے
صنم کدے میں بھی دے کر اذان بیٹھے ہیں

یہ کارواں کی سیاست ہے کیا کیا جائے
بزرگ چلنے لگے ہیں جوان بیٹھے ہیں

میں تیرے نقشِ قدم کا اسیر ہوں ہمدم
روش روش پہ وفا کے نشان بیٹھے ہیں

☆

دل کے صحرا میں ابھرتا ہوا دریا دیکھیں
بند آنکھوں سے کبھی خواب تماشا دیکھیں

آئینہ زادِ زمانے کا فسانہ دیکھیں
دیکھنے والے عجب کھیل تماشا دیکھیں

حسنِ خیرہ کی چمک اور بڑھی جاتی ہے
تاب رکھتے ہیں کہاں اہلِ نظر کیا دیکھیں؟

یہ جزیرہ بھی تو ڈوبا ہی چلا جاتا ہے
ڈوبنے والے کوئی اور کنارہ دیکھیں

آپ خود اپنے رویے پہ نظرِ ثانی کریں
رسمِ الفت کا تقاضا ہے دوبارہ دیکھیں

اپنا سایہ بھی کہاں ہم کو سجھائی دے گا
بے چراغی میں بھٹکتے ہوئے کیا کیا دیکھیں؟

دن گزرتے ہی تری رہ میں بچھا کر پلکیں
ہم چراغوں کو سرِ شام سلگتا دیکھیں

عشق ہر مول پہ مطلوب کو پا جاتا ہے
حسنِ یوسفؑ کے طلب گار زلیخا دیکھیں

دیکھیے کون سے ذرے میں نمو آتی ہے
نرم مٹی میں چلایا ہے سہاگا دیکھیں

آپ کے تاج محل کیسے نظر آتے ہیں؟
عالی جاہ! خواب سرائے میں رعایا دیکھیں

ہر طرف مسجد و مندر کا سماں رہتا ہے
دِل کی محراب سے نکلیں تو کلیسا دیکھیں

میں ہواؤں کو بھی ہم راہ لیے چلتا ہوں
کیسے اُڑتا ہے مرے سنگ بگولا دیکھیں

رات کٹتی ہے اندھیروں پہ گزارا کر کے
تیرے شب زاد بھلا کیسے اجالا دیکھیں؟

آگ الفاظ کی تیلی سے لگائیں اور پھر
کیسے ہوتا ہے سرِ شہر دھماکا دیکھیں

اہلِ مشرق نے بھی مغرب کا لبادہ اوڑھا
کیسے ڈوبے ہوئے سورج کا سویرا دیکھیں؟

تیرے جیسا ہے بھلا کون ہمیں جچتا ہے؟
جی میں آتا ہے تجھے سب سے اچھوتا دیکھیں

خون کی بوند سے لکھا ہے فسانہ اپنا
دستخط ہیں یہ مرے نام کا نقطہ دیکھیں

یہ مرا دل ہے اسے کھیل نہ سمجھیں صاحب!
یوں بہلنے کو کوئی اور کھلونا دیکھیں

ہم نے دیکھا ہے اسی آس پہ ڈھلتا سورج
شام ہوتے ہی کوئی جان سے پیارا دیکھیں

اپنی کاٹی ہوئی گردن بھی جھکائیں ہمدم
سر بریدہ بھی اگر میرا کلیجہ دیکھیں

☆

شام لہرانے لگی ہے وقت کے اشجار پر
آخری سایہ پڑے گا دھوپ کی دیوار پر

پھر کسی ہیلن کا جادو چل گیا ہے شہر میں
انگلیاں اٹھنے لگیں ہر شخص کے کردار پر

اب انا کے موڑ سے آگے نہیں جانا ہمیں
چلتے چلتے آ گئے ہم آخری پندار پر

کیا کنارے کی تمنا کیا بھنور کی آرزو
کشتیاں جب چل رہی ہیں موج کی پتوار پر

موجۂ ادراک میں افلاک سے آگے گئے
دائرے بنتے گئے یوں سوچ کی پرکار پر

جھوٹ چھپ سکتا نہیں چشمِ تماشا سے کبھی
سرخیاں سچ بولتی ہیں شہر کے اخبار پر

لوگ سمجھے ہی نہیں کوزہ گری کی تلخیاں
فن کی تہمت لگ گئی گویا مرے فنکار پر

اب کہاں دشتِ جنوں، پہلے سی وہ آزادیاں
جبر کے تالے لگے ہیں عشق کے اظہار پر

کارواں لڑتا رہا دستار کی خاطر مگر
کج کلاہی سج گئی ہے قافلہ سالار پر

دُور تک پھیلا ہوا ہے روشنی کا سلسلہ
آئینے کا عکس ہے تصویر کے زنگار پر

فاختائیں چیختی ہیں وحشتوں کے دور میں
کون باغی ہو گیا ہے امن سے انکار پر

سرد موسم ہے یہاں یخ بستگی سے جنگ ہے
خون میرا جم گیا ہے ہجر کی تلوار پر

تیز چلتا ہوں کہ مجھ کو دور جانا ہے ابھی
لوگ جلتے ہیں تو جل جائیں مری رفتار پر

حرف کی حرمت کہاں ہے؟ ظرف کی قیمت کہاں؟
کون سمجھوتا کرے گا بات کے معیار پر؟

جانے کن لمحوں کی غلطی پر سزا ہم کو ملی
جان دینا پڑ رہی ہے زندگی کے دار پر

یہ محبت کا صلہ ہے یا خراجِ دشمناں
گردنیں جھک کر کٹی ہیں دوستوں کے وار پر

آنکھ کھلتے ہی مری تقدیر ہمدم سو گئی
دیر تک روتا رہا میں خواب کے شہکار پر

☆

آئینے کی زنگاری میں مٹی کے افسانے ہیں
لیکن دیکھنے والے پھر بھی دنیا سے انجانے ہیں

بوتل، جام، صراحی، مینا ساقی کے پیمانے ہیں
ورنہ میری ذات کے اندر اپنے ہی مے خانے ہیں

قریہ قریہ گلشن گلشن اپنا دیکھا بھالا ہے
کھلتے پھول، مہکتی خوشبو سب جانے پہچانے ہیں

رانجھا ہیر کا مجنوں ٹھہرا، مجنوں لیلی کا فرہاد
سچا عشق تو افسانہ ہے، سچے سب دیوانے ہیں

کتنے لوگ یہاں بستے ہیں بربادی کی گلیوں میں
میرے شہر کی آبادی میں کتنے ہی ویرانے ہیں

کوچہ گرد مسافر ہوں میں خود کو ڈھونڈا کرتا ہوں
شہرِ سنگ بسا ہے دل میں، آنکھوں میں بت خانے ہیں

محفل روز چمک اٹھتی ہے جن کے آنے جانے سے
کالی رات سجانے والے شمع کے پروانے ہیں

کھڑکی سانس نہیں لے سکتی، تالا ہے دروازے پر
گھر میں راج خموشی کا ہے، ہونٹوں پر جرمانے ہیں

دِل قربان کیے بیٹھے ہیں، میٹھے میٹھے لہجے میں
ہم آواز ہوئی ہیں آنکھیں، نظروں کے نذرانے ہیں

بدلے کھیت جہاں میں لیکن کھیتی کا یہ عالم ہے
اونچا نام یہاں پر ان کا جن کے گھر میں دانے ہیں

کیسے خون کے دھبے دیکھوں، کیسے جانوں قاتل کو
جھوٹا خول چڑھا ہے جس کے ہاتھوں پر دستانے ہیں

گرچہ حال برا ہے لیکن مستقبل تو اچھا ہے
مشکل وقت سے آخر میرے صدیوں کے یارانے ہیں

اُن کی اپنی مرضی ہے، جس مرضی میں خودغرضی ہے
کب وہ میری بات سنے ہیں؟ کب وہ میری مانے ہیں؟

کون یہاں معذور نہیں ہے، کس کس کو مجبور کہیں
لولے لنگڑے، گونگے بہرے، اندھے ہیں کچھ کانے ہیں

شام ڈھلی جاتی ہے جیسے سورج چھپتا جاتا ہے
زلفیں جن پر بار ہوئی ہیں کتنے نازک شانے ہیں

اِک آواز سنائی دے کر دھڑکن سے مل جاتی ہے
میرے پیارے اللہ میاں یہ کیسے دوگانے ہیں

کس پر وار کروں میں، کس کے پیچھے پیچھے بھاگوں میں؟
ہمدم پیٹھ دکھانے والے یار سبھی بیگانے ہیں

☆

چراغِ صبحِ بہاراں ، گلِ شبینہ بھی
سرائے خواب سے نکلے کوئی حسینہ بھی

میں اپنے آپ سے نکلوں کسی حسیں کے لیے
عقیدتوں کا سفر ہو سرِ مدینہ بھی

نہیں ہے میرا کنارہ کسی جزیرے پر
رواں دواں ہے بھنور میں مرا سفینہ بھی

کٹا عقیقِ محبت بھی تیشۂ دل سے
قدم قدم پہ تراشا گیا نگینہ بھی

ڈھلے ہیں ہجر کے لمحے طویل صدیوں میں
بنا ہے گردشِ ایام سے مہینہ بھی

نجانے کون سے رستے پہ چل پڑا ہوں میں
وفا میں خون ہوا ہے مرا پسینہ بھی

صدائے موجِ سخن ہے برائے اہلِ ادب
بڑا کمال ہے رکھنا یہاں قرینہ بھی

سراب ہونے لگی ہے غبار کی دنیا
اسیرِ دشت تمنا ہے چشمِ بینا بھی

یہ مے کدہ ہے یہاں پر شراب مفت نہیں
یہاں پہ جرم ہے ساقی نظر سے پینا بھی

ہر ایک سانس میں ہجرت دوام ٹھہری ہے
بہت عجیب ہے مرنا بھی اور جینا بھی

خراج ہم نے دیا ہے نمود پانے کا
رفو کیا ہے زمیں کا فگار سینہ بھی

ہمیں مجال کہاں ہے کہ بوند بھی چکھیں
ہمارے ظرف سے بڑھ کر ملی ہے مینا بھی

یہ ننھے منے ستارے ہمارا ورثہ ہیں
کہیں پہ اصغرؑ دیں ہے، کہیں سکینہؑ بھی

حقیقتوں کا فسانہ ہے زندگی شاید
یہی ہے گنجِ زمانہ، یہی خزینہ بھی

میں پچھلے گھر میں کوئی چیز چھوڑ آیا تھا
تلاشتا ہے زمانہ مرا دفینہ بھی

یہی ہے کارِ سیاست رذیل طبقے کا
رکھا ہے اونٹ کا سینہ بھی اور کینہ بھی

یہ فروری تو محبت نواز ہے لیکن
گزر نہ جائے کہیں یوں ہی یہ مہینہ بھی

میں بندروں کی حقیقت سے خوب واقف ہوں
بنا ہے شہر کے جنگل میں شہ کمینہ بھی

نوائے فکر سے ملتی ہے روشنی ہمدم
یہی ہے خواب کا رستہ، دلوں کا زینہ بھی

☆

نظر سے برسرِ پیکار ہو، ایسا نہیں ہوتا
تماشا طاقچے سے پار ہو، ایسا نہیں ہوتا

ہم اپنے خواب کا پیکر بڑا صیقل بناتے ہیں
جہانِ آئنہ زنگار ہو، ایسا نہیں ہوتا

پڑے ہیں بے ستوں کتنے صدائے تیشۂ دل میں
سفر میں ریت کی دیوار ہو، ایسا نہیں ہوتا

تماشائی کی آنکھوں کے مطابق حسن ہوتا ہے
ہر اک تصویر میں شہکار ہو، ایسا نہیں ہوتا

کبھی تو دور بدلے گا مرے شہر منافق میں
ہمیشہ جھوٹ کا بیوپار ہو ، ایسا نہیں ہوتا

شعورِ ذات سے آگے سفر کرنا ہی پڑتا ہے
انا کی موج میں پندار ہو، ایسا نہیں ہوتا

سنا ہے آتشِ گل سے بھی سینہ چاک ہوتا ہے
چمن میں خار ہی بس خار ہو! ایسا نہیں ہوتا

ہماری جان کے دشمن پسِ دیوار پلتے ہیں
سبھی کے ہاتھ میں تلوار ہو، ایسا نہیں ہوتا

سبھی کو ساقیانِ شہر سے مینا نہیں ملتی
یہاں پر ہر کوئی مے خوار ہو، ایسا نہیں ہوتا

ہمیشہ دوسروں کو ہجر سے دوچار کرتا ہے
وہ اپنے آپ سے دوچار ہو ایسا نہیں ہوتا

بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں میں دل سے ملتا ہوں
وہی میرا مٹھل منٹھار ہو ، ایسا نہیں ہوتا

مسلسل وحشتوں کا راج رہتا ہے اداسی میں
سرِ دشتِ جنوں گل زار ہو ، ایسا نہیں ہوتا

کہیں سویا ہوا سپنا جسے تم بھول بیٹھے ہو
سرائے خواب میں بے دار ہو، ایسا نہیں ہوتا

قبائے شام خاموشی کے پردے میں بھی کھلتی ہے
پرندوں کی بچھڑتی ڈار ہو ، ایسا نہیں ہوتا

جدائی کی سیاہ راتیں بہت بے چین رکھتی ہیں
چراغِ صبح میں دیدار ہو، ایسا نہیں ہوتا

ملیں گی منزلیں دار و رسن پہ جھولنے والو!
جنوں جب قافلہ سالار ہو، ایسا نہیں ہوتا

دِلوں پر مصلحت کوشی دھندلکا بن کے رہتی ہے
سبھی کو جھوٹ سے انکار ہو، ایسا نہیں ہوتا

کہانی کے لیے سچا شعورِ عصر کافی ہے
فسانہ جھوٹ کا کردار ہو ایسا نہیں ہوتا

زمانہ کچھ، فسانہ کچھ، خبر کچھ ہے، نظر کچھ ہے
حقیقت شہر کا اخبار ہو ایسا نہیں ہوتا

اَنا کے فیصلے ناقابلِ تردید ہوتے ہیں
ہر اک انکار میں اقرار ہو ایسا نہیں ہوتا

پسِ حرفِ جنوں موجِ سخن کا رنگ ہوتا ہے
لبِ قرطاس ہی اظہار ہو، ایسا نہیں ہوتا

نظر کے زاویے خود ہی الجھتے ہیں سنورتے ہیں
ہمارے ہاتھ میں پرکار ہو ایسا نہیں ہوتا

یہ سرداری مقدر سے ملا کرتی ہے دنیا میں
ہر اک سر قابلِ دستار ہو ایسا نہیں ہوتا

دلوں کی بات بنتی ہے محبت میں قرینے سے
یہ سودا بر سرِ بازار ہو ایسا نہیں ہوتا

ہوائیں چوم لیتی ہیں چمن میں ادھ کھلی کلیاں
گلابی سرخیِ رخسار ہو ایسا نہیں ہوتا

محبت کا حسیں لمحہ ہمیشہ یاد رہتا ہے
محبت عام سا تہوار ہو ایسا نہیں ہوتا

قیادت کا ہنر ہمدم کہاں ورثے میں ملتا ہے
قبیلے کا بڑا سردار ہو ایسا نہیں ہوتا

☆

جنونِ پائے رسا میں کمال ہو کب تک؟
سرابِ دشت سے آگے خیال ہو کب تک؟

وہ باکمال ہے اس پر گمان کیا معنی؟
جو لا جواب ہو اس پر سوال ہو کب تک؟

دِلوں کے بیچ رہے گا یہ سلسلہ لیکن
محبتوں میں مسلسل کمال ہو کب تک؟

میں آئینے میں تخیل تراش بیٹھا ہوں
مرے خیال کا پیکر جمال ہو کب تک؟

پڑے ہوئے ہیں زمیں پر قدم قلندر کے
خرد کی حد سے گزرنا کمال ہو کب تک؟

مجھے تو خارکے رستے نہال کرنا ہیں
مرے وجود پہ پھولوں کی شال ہو کب تک؟

گزارنی ہیں محبت میں ہجر کی گھڑیاں
عروج ہو کہ ہمارا زوال ہو کب تک؟

ہر ایک بات پہ لہجہ بدلنا پڑتا ہے
پرانے زخم پہ آخر ملال ہو کب تک؟

صدائے شہر میں شامل ہوئی ہے بوئے لہو
ہوا کے ہاتھ میں خوشبو خصال ہو کب تک؟

کہاں تلک مری دھڑکن سنبھال کر رکھے
فشارِ خوں میں سلگتا ابال ہو کب تک؟

ابھی تو ہجر کی لذت میں چین آتا ہے
یہ خاص درد بھی دیکھیں وبال ہو کب تک؟

یہ چاک چاک خزائیں بہار ہوں کیسے؟
یہ بے نمود شجر بھی نہال ہو کب تک؟

کبھی تو مجھ میں سمندر نے غرق ہونا ہے
نظر سے دور بھنور میں اچھال ہو کب تک؟

مرے بھی دوست کبھی میرے کام آئیں گے
ہر اک بساط پہ دشمن کی چال ہو کب تک؟

جنونِ عشق محبت کا آٹھواں سر ہے
خرد کے سات سروں پر دھمال ہو کب تک؟

امیرِ شہر کی دستار گرنے والی ہے
ہے انتظار کہ سر پائمال ہو کب تک؟

یہ خواب ہے کہ ملیں تیرے کنارے پر
ہمارے ہجر کا موسم وصال ہو کب تک؟

ہمارے مشرق و مغرب تو ایک ہو گئے ہیں
جنوب میں بھی میسر شمال ہو کب تک؟

میں شاملات محبت خرید سکتا ہوں
مرا وجود مگر اشتمال ہو کب تک؟

ہمیں گرانا پڑے گی یہ سوچ کی دیوار
ہمارے آئینۂ دل میں بال ہو کب تک؟

دیارِ چشم تماشا سے بھاگنا ہوگا
خیال و خواب پہ خواہش کا جال ہو کب تک؟

صدائے موجۂ گل تو کبھی مجسم ہو
مرے وجود میں رقصاں گلال ہو کب تک؟

کچھ اور بھی ہیں مسائل جہان میں ہمدم
نوائے موجِ غزل میں غزال ہو کب تک؟

☆

پردہ جو مرے خواب کے منظر سے اٹھا ہے
شیشے کا بدن کانچ کے پیکر سے اٹھا ہے

اندر سے اٹھایا ہے نہ باہر سے اٹھا ہے
احساس مرا موجۂ صرصر سے اٹھا ہے

موسم کے بدلنے کا سفر دیکھ رہا ہوں
طوفان کہیں دور سمندر سے اٹھا ہے

سایہ تو کبھی دھوپ میں نکلا ہی نہیں تھا
یہ کون ہے جو میرے برابر سے اٹھا ہے

یہ آگ مرے عشق کے پاؤں سے لگی ہے
مٹی کا دھواں رقص قلندر سے اٹھا ہے

پھولوں کی طرح پھول کھلے چور بدن میں
ہاں ! درد مجھے پیٹھ کے خنجر سے اٹھا ہے

اٹھتا تھا کہاں شہر میں ہنگامۂ محشر
طوفان مرے ہاتھ کے پتھر سے اٹھا ہے

ہم لوگ تو احساس کی جنگ ہار چکے تھے
میدان مقدر کے سکندر سے اٹھا ہے

پتھر کے کلیجے میں بہاروں کی نمو ہے
کہسار کا سینہ بھی صنوبر سے اٹھا ہے

طوفان مری چائے کی پیالی میں بپا تھا
ساقی کا یہ کہنا ہے کہ ساغر سے اٹھا ہے

سونے میں نہ چاندی میں نہ ہیرے میں چمک ہے
یہ رنگ تو کردار کے زیور سے اٹھا ہے

مارا ہے مجھے اور بھی اس چارہ گری نے
اِک زخم نیا پیار کے نشتر سے اٹھا ہے

کرنوں میں بٹا چاند بھی دیکھا ہے بھنور میں
پندار جو تالاب میں کنکر سے اٹھا ہے

اوقات بڑھائی ہے مری شہر میں تو نے
یہ صفر تری ذات کے نمبر سے اٹھا ہے

احساس کا فتویٰ ہی مٹائے گا اسے بھی
فتنہ جو مرے شہر کے منبر سے اٹھا ہے

چلتا ہے مرے ساتھ مرے نقشِ قدم پر
سایہ جو کڑی دھوپ کی چادر سے اٹھا ہے

اِس بار مرے ہاتھ پہ اپنوں کا لہو ہے
اِس بار عدو میرے ہی لشکر سے اٹھا ہے

گل دان میں رکھا تھا تو سجتا ہی کہاں تھا؟
یہ پھول ترے کوٹ کے کالر سے اٹھا ہے

مل جل کے چراغوں کو جلایا ہے سبھی نے
شعلہ سا مرے شہر میں در در سے اٹھا ہے

اپنوں کو سکھایا ہے بڑی شان سے جینا
دستار کا شملہ بھی مرے سر سے اٹھا ہے

خواہش کے پجاری سرِ محراب پلے ہیں
پتھر کا خدا وقت کے مندر سے اٹھا ہے

تعبیر کو رکھا ہے کسی اور جہاں میں
خوابوں کا پرندہ بھی مرے پر سے اٹھا ہے

قامت کا یہ معیار عجب دیکھ رہا ہوں
بونا بھی مرے قد کے برابر سے اٹھا ہے

احساس کے کاغذ پہ اتارا نہیں ہمدم
جو مصرعۂ تر بزمِ سخن ور سے اٹھا ہے

☆

آگہی چشمِ تمنائی سے آگے نکلی
آئینہ بینی تماشائی سے آگے نکلی

بات جو پہلی شناسائی سے آگے نکلی
پھر وہی بات پزیرائی سے آگے نکلی

تجھ کو دیکھا ہے تو پہچان لیا ہے میں نے
تیری تصویر شناسائی سے آگے نکلی

روک رکھا تھا اندھیروں نے ہمارا رستہ
روشنی اپنی توانائی سے آگے نکلی

ضبط ٹوٹا تو سبھی بند انا چاک ہوئے
آنکھ روئی تو شکیبائی سے آگے نکلی

کتنے اصنام تراشے ہیں دیارِ دل میں
میری حیرت بھی خودآرائی سے آگے نکلی

گھر سے نکلی ہے تو ویرانے میں آبیٹھی ہے
وحشتِ دل مری تنہائی سے آگے نکلی

اب تو آرام کا مطلب ہے فنا ہو جانا
آخری چوٹ مسیحائی سے آگے نکلی

مجھ کو بدنام کیا میری وفا نے ورنہ
میری شہرت مری رسوائی سے آگے نکلی

پھول ہی پھول کھلے تھے مرے آگے آگے
آنکھ جب لالۂ صحرائی سے آگے نکلی

دِل جھکانا ہے مجھے اپنی جبیں سے پہلے
بندگی میری جبیں سائی سے آگے نکلی

شہر دیہات کے رقبے میں پلے ہیں آخر
رسم جدت میں علاقائی سے آگے نکلی

آسمانوں میں چمکتی ہوئی صورت تو ہے
خواب زندگی میں جو رعنائی سے آگے نکلی

اب تو بولیں گی محبت میں غزالی آنکھیں
بات نکلی ہے تو گویائی سے آگے نکلی

جان لیتا ہے اسیروں کی چلا جاتا ہے
یہ تجارت مرے سودائی سے آگے نکلی

میں نے چھوڑا تھا لبِ بام ہوا کا لشکر
ساری دنیا مری پسپائی سے آگے نکلی

میں نے چاہا کہ ستاروں میں سجاؤں لیکن
خاک زادی مری اونچائی سے آگے نکلی

ہر علاقہ مرے اجداد کا ورثہ نکلا
سرزمیں حلقۂ آبائی سے آگے نکلی

چشمِ حیرت سے نکلتے تھے ہزاروں چشمے
خواب صورت مری پہنائی سے آگے نکلی

ہم ترے نام پہ نیلام نہیں ہو سکتے
یہ گرانی تری مہنگائی سے آگے نکلی

یوں ہی کہتے تھے مجھے لوگ کہ اچھا ہوں میں
میری اوقات مگر پائی سے آگے نکلی

آستینوں پہ بھروسہ تو نہیں تھا لیکن
گھر کی ہر بات مرے بھائی سے آگے نکلی

مجھ کو پندارِ محبت نے بڑھایا آگے
ناؤ پانی میں اگی کائی سے آگے نکلی

پیچ در پیچ کھلا اور بھی اندازِ جہاں
زلف محبوب کی انگڑائی سے آگے نکلی

لفظ پھولوں کی زباں بول رہے ہیں ہمدم
موجۂ گل سخن آرائی سے آگے نکلی

☆

سرابِ دشت سے آگے غبار میں رہنا
خرد کے بعد جنوں کے حصار میں رہنا

تری نمود کو رکھا ہے اپنی مٹی میں
مرے وجود کے حتمی شمار میں رہنا

عجب نشہ ہے محبت گزار لمحوں کا
بچھڑ کے تجھ سے ترے ہی خمار میں رہنا

یہ رکھ رکھاؤ ہمارا عظیم ورثہ ہے
حسب نسب سے ملا ہے وقار میں رہنا

ترے وجود پہ سجتی ہے آئینہ پوشی
خیال و خواب کی صورت نگار میں رہنا

یہ رسم دیدہ وری ہے برائے چارہ گری
تجھے جو دیکھ نہ سکنا، بخار میں رہنا

لہو کی موج رگوں میں خرام کرتی ہے
ہے زندگی کا تسلسل فشار میں رہنا

دیارِ ہجر کی لذت دوام رکھتا ہے
ترے وصال کا موسم ادھار میں رہنا

جو قافلے میں چلے ہیں وہ سرخ رو ٹھہرے
سفر کا حسن رہا ہے قطار میں رہنا

جلا رہا ہے مجھے سرد سرد لہجے میں
یہ برف زاد رتوں کا چنار میں رہنا

پلٹ پلٹ تجھے تکنا اداس راہوں میں
قدم قدم پہ ترے انتظار میں رہنا

میں خاک داں کے مسائل سے دور بھاگتا ہوں
مجھے قبول نہیں اختصار میں رہنا

میں آنے والی رتوں میں سفیر ہوں تیرا
سو میرے عہد مری یادگار میں رہنا

تجھے تراش رہا ہوں حسین لفظوں میں
مرے خیال مرے شاہکار میں رہنا

خموشیوں میں کسی حادثے کی دستک ہے
کھٹک رہا ہے عدو کا کچھار میں رہنا

مرے حبیب محبت سے مان جاؤ نا!
روا نہیں ہے اناؤں کا پیار میں رہنا

یہ خواہشات کا جنگل ہے دیکھنا ہمدم
ہے بھیڑیوں کا وتیرہ شکار میں رہنا

☆

چہرہ نہ عکس ، دیدۂ بینا نہ چاہیے
آئینۂ جمال کو افسانہ چاہیے

اندازِ زندگی جو فقیرانہ چاہیے
کارِ جہاں میں جراتِ رندانہ چاہیے

آتی نہیں ہے راس انہیں شہر کی فضا
اہلِ جنوں کو وحشتِ ویرانہ چاہیے

پہلے ذرا سا رنگ کہانی میں گھولیے
پھر اس کے بعد واقعہ دہرانا چاہیے

موجِ ہوا نے چھیڑ کے اچھا نہیں کیا
مستی میں آج تھوڑا سا لہرانا چاہیے

انصاف کا حصول تو مشکل نہیں مگر
میزاں پہ بھی شعور کا پیمانہ چاہیے

کچھ تو دیارِ ہجر میں تازہ ہوا چلے
دل کو خیالِ یار سے بہلانا چاہیے

اہلِ خرد تو وقت کے زنداں میں قید ہیں
ترسیلِ عشق کے لیے دیوانہ چاہیے

اِک شے پہ ٹھہرتی ہے نگاہِ غلط کہاں
دل کو حدودِ ذات میں بت خانہ چاہیے

سورج کے ساتھ سائے کا چلنا محال ہے
ایسے میں کوئی دھوپ سے بیگانہ چاہیے

یہ آگہی کی پیاس بھی موجِ شراب ہے
نادیدنی کی دید بھی روزانہ چاہیے

شیریں کا حسن، تیشۂ فرہاد ہی نہیں
جاہ و جلالِ عشق بھی ترکانہ چاہیے

جدت مرے مزاج سے ملتی نہیں ابھی
رسمِ جہاں مجھے بھی قدیمانہ چاہیے

صدیوں سے دے رہے ہیں لہو کا خراج ہم
کچھ تو صلے میں ہم کو بھی لوٹانا چاہیے

گلشن کے پات پات میں تیری ہی بات ہو
موجِ ہوا چمن میں سفیرانہ چاہیے

آئینۂ خیال کے شوقین تو نہیں
دیدارِ یار پھر بھی کو حجابانہ چاہیے

آنکھیں الگ تو دید کا منظر جدا جدا
خوابوں کی سرزمیں بھی جداگانہ چاہیے

یہ کیا کہ بار بار سیاست کی بات ہو
دُشمن کے ساتھ جنگ دلیرانہ چاہیے

دامن ہے داغ داغ تو ہاتھوں پہ خون ہے
ہمدم ہر ایک چور کو دستانہ چاہیے

وقار احمد آسؔ مرحوم کے نام

شہر میں رہتے ہوئے بھی شہر میں شامل نہ تھا
گاؤں جیسا آدمی تھا، وقت کا قائل نہ تھا

اس نے اپنی زندگی کو بے سبب لمبا کیا
ورنہ ایسی قید پر وہ ایک پل مائل نہ تھا

حاشیہ بردار تھا کب وہ زمانہ ساز تھا؟
ورنہ کوئی مسئلہ اس کے لیے مشکل نہ تھا

اِک ہجومِ درد تھا اس کے جنازے میں شریک
دیدۂ نمناک میں آنسو کسی قابل نہ تھا

بے ردائی میں جیا لیکن وہ پھر بھی آس تھا
دِل کے رستے پر رہا وہ جادۂ محمل نہ تھا

انگلیاں اس نے اٹھائی تھیں ہمیشہ جبر میں
وہ سوالی تھا مگر دربار کا سائل نہ تھا

گردشِ ایام نے رکھا کچہری میں اسے
اس کا اپنا کیس لیکن کورٹ میں فائل نہ تھا

کر رہے تھے تذکرہ اغیار بھی احباب بھی
جان تھا محفل کی لیکن برسرِ محفل نہ تھا

خوشہ چینی میں سبھی اس دشت کے دربان تھے
اَن پڑھے لکھوں میں ہمدم وہ کبھی جاہل نہ تھا

☆

آگہی میں روشنی کا راستہ منزل نہ تھا
ملگجا سا خواب منظر تھا مگر جھلمل نہ تھا

مرنے والے کی تڑپ تھی اور جینے کے لیے
زندگی کا آخری لمحہ لبِ بسمل نہ تھا

زندگی دریا بہ دریا موجۂ ایام تھی
پانیوں کا شہر تھا لیکن کوئی ساحل نہ تھا

کیا تھا جگنو کی طرح جو دیر تک روشن رہا
دیکھنے والے کی آنکھوں میں اگر وہ تل نہ تھا

جبر کی اک سل رکھی تھی خواہشوں کے بام پر
سنگ تھا سینے میں جیسے دل ہمارا دل نہ تھا

راستے کا سانپ تھا، نقش قدم تھے، دھول تھی
آنکھ جب کھولی تو دیکھا! سامنے محمل نہ تھا

خواب زادے رہ رہے تھے آگہی کے دشت میں
روشنی کا آشیانہ ، ارضِ آب و گل نہ تھا

یاد کی تازہ ہوائیں تھیں دیارِ ہجر میں
دل کے دروازے پہ دستک تھی مگر سائل نہ تھا

ہم بھٹکتے ہی رہے دشت جنوں میں عمر بھر
آرزوئے خام تھی یا جذبۂ کامل نہ تھا

کر ہی لیتے دسترس میں عشق کا سود و زیاں
مرحلہ یہ بھی محبت میں کوئی مشکل نہ تھا

زندگی بھر مثبت و منفی کے چکر میں رہا
ضرب سے تقسیم ہوا تو کچھ مرا حاصل نہ تھا

بیچ میں ہمدم اناؤں سے چنی دیوار تھی
میں ترے قابل نہ تھا اور تو مرے قابل نہ تھا

☆

خواب زادوں کا یہ پندار کہیں رہ جائے
یوں نہ ہو دیدۂ بیدار کہیں رہ جائے

تلخیاں بھول کے جینے کی تمنا ہے ہمیں
پیش منظر ہے جو اخبار کہیں رہ جائے

بے ہنر شہر میں جینا بھی ہے ایسا جیسے
حالت جنگ میں تلوار کہیں رہ جائے

اِس خرابے میں بھی تجدید نہیں ہوتی ہے
کب وہ ملتا ہے جو اک بار کہیں رہ جائے

عمر بھر کوہ جنوں کاٹ نہ پائیں لیکن
تیشۂ دل سے وہ پیکار کہیں رہ جائے

کج کلاہی کا وتیرہ نہیں رکھا ہم نے
سر جھکائیں تو یہ دستار کہیں رہ جائے

آن پہنچے ہیں اناؤں میں جو دوراہے پر
کوئی اقرار ہو، انکار کہیں رہ جائے

عشق میں دام وغیرہ نہیں دیکھے جاتے
دل کے میزان پہ معیار کہیں رہ جائے

نفرتیں اتنی نہ پھیلاؤ کہ پچھتانا پڑے
تھوڑی سی پیار کی مقدار کہیں رہ جائے

آج پھر موج کے سینے پہ سفر کرنا ہے
ڈوبتی ناؤ کی پتوار کہیں رہ جائے

جنگ جاری ہے مری آج کھلے دشمن سے
آستینوں سے ہوا وار کہیں رہ جائے

یہ گدا اگر بھی وہیں ان کے قریں ٹھہرے گا
میرا مرشد، مری سرکار کہیں رہ جائے

ٹوٹ جائے نہ کہیں کانچ کا پیکر ہمدم
آئینہ بر سرِ زنگار کہیں رہ جائے

☆

دِل کی دھڑکن میں وہ دلدار حسیں رہ جائے
سجدۂ شوق میں سرشار جبیں رہ جائے

سرخ رو ہو کے زمانے میں نظر آتا ہے
ہر کہانی میں جو کردار امیں رہ جائے

خواب زدگی میں سرابوں کو حقیقت سمجھوں
خوش گمانی کا یہ معیار یقیں رہ جائے

سنگ زادوں نے اسی آس پہ پتھر کاٹے
تیشۂ دل پہ وہ کہسار گزیں رہ جائے

خواب ڈھل جائیں محبت کے حسیں پیکر میں
خاک دانی میں وہ شہکار نگیں رہ جائے

آئینہ زاد فسانے سے الجھ بیٹھا ہوں
آگہی بر سرِ پیکار یہیں رہ جائے

دیدنی ہے جو حقیقت وہی نادیدہ ہے
یہ بھی کیا؟ شہر بھی اخبار نشیں رہ جائے

کوچۂ حسن تخیل کو بھی آباد کرو
یوں نہ ہو دشت میں بے کار زمیں رہ جائے

مجھ کو چلنا ہے ذرا قافلہ سالار کے ساتھ
کاش یہ حاشیہ بردار کہیں رہ جائے

فاصلہ توڑ کے چلنے کی سعی کرتے ہیں
یوں نہ ہو وقت کی دیوار قریں رہ جائے

بدگمانی کے جزیروں کو میں چھوڑ آیا ہوں
میرے قدموں کو سزاوار زمیں رہ جائے

میں نے اثبات سے پہلے جو کیا تھا ہمدم
کیسے ہونٹوں پہ وہ انکار نہیں رہ جائے

☆

بات کرتے ہو محبت سے، ادب کرتے ہو
جو بھی کرتے ہو مری جان غضب کرتے ہو

دِل کے دربار میں حاضر ہوں مجھے یاد رکھو
کیوں کسی غیر کی دنیا میں طلب کرتے ہو

بھول جاتے ہو سنورنا بھی ہماری خاطر
بے ضرورت جو تکلف میں یہ سب کرتے ہو

اُس کے کردار سے ظاہر ہے قبیلہ اُس کا
کیسے کم ظرف پہ تحویلِ نسب کرتے ہو

ایسی نظروں پہ مجھے اور بھی پیار آتا ہے
بس یونہی دیکھتے جاتے ہو، عجب کرتے ہو

دردِ ہجراں میں تڑپتے ہو بتاتے بھی نہیں
تم کسی اور کا احساس بھی کب کرتے ہو؟

رونے والوں کو ہنسانے کا ہنر جانتے ہو
المیہ یہ ہے کہ غم جشنِ طرب کرتے ہو

بے خرد ہو کے سرِ دشت ہوا نے پوچھا
واقعی قیس ہو یا مجنوں لقب کرتے ہو

میری سانسوں میں کھنکتا ہے تمہارا لہجہ
گفتگو تم جو سرِ غنچۂ لب کرتے ہو

روشنی میرے چراغوں سے جِلا پاتی ہے
تم جو آبادِ مرا قریۂ شب کرتے ہو

کچھ نہ کچھ ترکِ تغافل کا سبب تو ہوگا
پہلے کرتے تھے کہاں پیار جواب کرتے ہو

تم نے سیکھا ہی نہیں میرا سلیقہ شاید
میں جو کہتا ہوں توجہ کرو تب کرتے ہو

حرف قرطاس کے سینے پہ سجا کر ہمدم
زندگی رونقِ بازارِ کتب کرتے ہو

☆

آئینے کے رنگ میں نقالیاں شامل ہوئیں
زرد چہرے تھے مگر ہریالیاں شامل ہوئیں

چلچلاتی دھوپ میں کس کے سنہرے خواب تھے؟
گندمی خوشوں میں کس کی بالیاں شامل ہوئیں؟

دیکھنا ہے کس طرف لے جائے گی موجِ بلا؟
سبز موسم کی ہوا میں لالیاں شامل ہوئیں

سحر طاری کر دیا پہلے غزل اندام نے
پھر فضا کی سنسنی میں تالیاں شامل ہوئیں

روزمرہ تو نہیں اہلِ محبت کا مگر
کس طرح اردو ادب میں گالیاں شامل ہوئیں

یوں لگا جیسے اجلتی دھوپ ہے بادل کے بیچ
دودھ جیسے روپ میں جب کالیاں شامل ہوئیں

اس قدر آلودگی میں نے کبھی دیکھی نہ تھی
شہر کے تالاب میں جب نالیاں شامل ہوئیں

ہر قدم پر منتظر تھا حادثہ اک اور ہی
یوں ہمارے حال میں پامالیاں شامل ہوئیں

دور تک ہمدم گئی چھاؤں ہمارے عہد کی
پیڑ کے پھیلاؤ میں جب ڈالیاں شامل ہوئیں

☆

پھول مہکے، رنگ نکھرے، تتلیاں شامل ہوئیں
خواب منظر میں پرانی جھلکیاں شامل ہوئیں

اب تو سارے شہر کا لہجہ ہی زہر آلود ہے
شہد جیسی گفتگو میں تلخیاں شامل ہوئیں

اپنے ہر اک روپ کو میں دیکھ کر حیران ہوں
جب سے میری زندگی میں سیلفیاں شامل ہوئیں

اب تو راس آنے لگی ہے شہر کی تازہ ہوا
ہجر کی دیوار میں کچھ کھڑکیاں شامل ہوئیں

دشت میں بکھرا ہوا ہے بے لباسی کا فسوں
چاک دامن میں کہاں یہ دھجیاں شامل ہوئیں

ہر قدم پر سانحہ در سانحہ جھٹکا لگا
زلزلاتی دھڑکنوں میں بجلیاں شامل ہوئیں

ضبط ٹوٹا دائمی جب ہجر ٹھہرایا گیا
موجۂ اشک رواں میں ہچکیاں شامل ہوئیں

جنتِ ارضی ہوا ! جو خواب کی تعبیر تھا
جس علاقے میں ہماری وادیاں شامل ہوئیں

کتنے شہزادے یہاں بے موت ہی مارے گئے
دل کے افسانے میں کیسی دیویاں شامل ہوئیں

عہد کی تاریخ سے آگے چلیں جو فکر کی تخریب پر
ٹوٹتی تہذیب میں وہ بستیاں شامل ہوئیں

گنبدِ بے در میں خود کو دیکھ بھی سکتے نہیں
کس بلندی پر ہماری پستیاں شامل ہوئیں

جھوٹ کے قرطاس پر سچی لکیریں مٹ گئیں
فِکر کی تاریخ میں جب سولیاں شامل ہوئیں

سب نے اپنا درد میرے درد میں ہمدم رکھا
ہجر کے رختِ سفر میں گھڑیاں شامل ہوئیں


میں کہانی میں کوئی بھولا ہوا کردار ہوں
تو نے یہ کس باب میں او! صاحبا! رکھا مجھے